50

سلسلۂ مطبوعات ۶

عدالتِ صحابہؓ

مرتبہ

فقیر اللہ، متخصص ادارۂ علوم اثریہ لائلپور

ناشر

ادارۂ علومِ اثریہ، لائلپور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت ہی وہ پاکیزہ جماعت ہے جس کی تعدیل قرآن نے بیان کی ہے۔ متعدد آیات میں ان کے فضائل و مناقب پر زور دیا ہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ کو "اسوہ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی راہ سے انحراف کو "غیر سبیل المؤمنین" کی اتباع سے تعبیر فرمایا ہے۔ الغرض ہر جہت سے صحابہ کرامؓ کی عدالت و ثقاہت پر اعتماد کرنے پر زور دیا ہے۔ ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر علماء امت نے قرآن و حدیث کے ساتھ تعامل صحابہؓ کو بھی شرعی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ دین اخذ کرنے والی یہی جماعت ہے اور قرآن و حدیث بھی روایت و عمل کے ذریعہ انہی سے حاصل ہوا ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ صدیقین، شہداء اور صالحین کی یہی وہ جماعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے "الصحابۃ کلھم عدول" کے قاعدہ کے تحت رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا آغاز تابعین سے کیا ہے۔ اگر صحابہؓ پر کسی پہلو سے بھی تنقید جائز ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ محدثین اس سے صرفِ نظر کرتے یا تغافل کیشی سے کام لیتے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں کسی شخص کی عظمت یا نیکی ان کے لیے سدِ راہ نہیں بن سکی۔

مخالفینِ اسلام نے جب کتاب و سنت کو مشکوک بنانے کے لیے سازشیں کیں تو انہوں نے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ ہی کو ہدفِ تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ ان کے کردار کو بدنما کرنے کے لیے ہر قسم کے اتہام تراشنے سے دریغ نہ کیا۔ قرآن و سنت کے مقابلہ میں تاریخی و ادبی کتابوں سے چھان بین کر کے تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرنے کی سعیٔ ناکام کی اور لطف یہ کہ یہ سب کچھ علم و تحقیق کے نام پر کیا اور کیا جا رہا ہے۔

ابتدا میں تو اس اسلام دشمنی کے محاذ پر صرف روافض ہی نظر آتے تھے اور علماءِ حق نے دفاع عن الصحابہ کے موضوع پر روافض کے رد میں کتابیں لکھ کر اس بساط کو ہمیشہ کے لیے لپیٹ کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ "العواصم من القواصم" لابن العربی، المنہاج لابن تیمیہؒ اور تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ وہ کتابیں ہیں جن کو اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے بعد مزید تحقیق و تفتیش کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ان کے بعد دورِ جدید میں عیسائی مشنریوں کے تحت جب مستشرقین نے زہر آلود مواد کی نشر و اشاعت شروع کی تو بہت سے مسلمان علماء بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور دادِ تحقیق حاصل کرنے کے لیے ان کی تقلید میں وہی کچھ کہنا شروع کر دیا جو مستشرقین کی عین غایت تھی۔ اگر کسی آزاد خیال ادیب نے قرنِ اول پر خامہ فرسائی کر کے ان کو ہدفِ تنقید بنایا تو وہ اسقدر قابلِ افسوس نہیں ہے جسقدر کہ علماءِ دین کا رویہ باعثِ افسوس ہے کہ انہوں نے ایسے لوگوں کی ہمنوائی کر کے روافض اور مستشرقین کے مشن کو تقویت بخشی ہے۔ رشید رضا

مصری اور سید قطب جیسے علماء بھی ان مغالطہ آمیزیوں کا شکار ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

ان وجوہ کے پیش نظر علماء نے رشید رضا اور سید قطب کی تحریروں کے غلط اثرات زائل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس موضوع پر کتب تاریخ سے ٹھوس قسم کے دلائل پیش کر کے صحابہ کرامؓ سے دفاع کا فریضہ ادا کیا ہے۔

زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے اس میں تاریخی جائزہ سے قطع نظر اس موضوع پر شرعی اور فنی حیثیت سے بحث کی گئی ہے جو کہ (مولوی) فقیر اللہ متخصص ادارہ علوم اثریہ کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والے مقالات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ادارہ مذکور میں کس طرح طلبہ کو تحقیق و مطالعۂ حدیث کا عادی بنایا جاتا ہے اور صحیح علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جماعت اہل حدیث کے حلقوں میں یہ ادارہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ احباب جماعت کی توجہ اور محنت سے اسے مرکزی حیثیت دی جا سکتی ہے اس طرح جماعت کی علمی عزت و ناموس کو پھر سے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعاون علی البر والتقویٰ کی توفیق دے اور ہمارے باہمی انشقاق کو دور فرما کر ہمارے قلوب میں الفت پیدا کر دے۔ آمین ثم آمین

ادارہ علوم اثریہ۔ لائل پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سخن ہائے گفتنی

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا جن کو اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یا صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، تفصیلاً نہ سہی اجمالی طور پر ہر مسلمان اس لقب کے ساتھ ان سے عقیدت اور اپنے دل میں ان کا احترام لیے ہوتے ہے، "حبیبُ الحبیبِ حبیبٌ" اور "جلیس الصالح، صالحٌ" کے عام اصول کے پیشِ نظر جب کبھی اس نسبت سے کسی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھی ہے تو ہر مسلمان کا دل فرطِ محبت اور حسنِ عقیدت کے ساتھ جھک جاتا ہے، یہ تمام ان کوششوں کے باوجود جو دشمنِ اسلام عبداللہ ابن سبا سے لے کر آج تک اپنوں اور بیگانوں، نادان دوستوں اور بدخواہ دشمنوں کی طرف سے اسلام اور اسلام کے ان راویوں کو بدنام کرنے اور ان سے اعتماد اٹھا دینے کے سلسلہ میں کی گئیں۔ کبھی تولا و تبرا کے نام پر ان کے مثالب بیان کیے گئے اور کبھی تحقیق و تنقید کے نام سے ان کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی، کبھی حبِ علی رضؓ کے رنگ میں ان کے ساتھ بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہ درحقیقت اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی بہت بڑی لیکن ناکام کوشش تھی۔ سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تدوینِ حدیث کے عوامل اور حوال پر بحث کرتے ہوئے ، سبائی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" یوں کہنے کے لیے اس تحریک کے متعلق بیسیوں باتیں کہی جاتی ہیں، لیکن جس چیز نے اس تحریک کو عجیب و غریب چیز بنا دیا تھا وہ اس کی اصلی روح تھی یعنی اس جوہری قوت کو قطعی طور پہ ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو اسلام کی پشتیبانی اور نصرت کے لیے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد "صحابیت کی شکل میں قدرت کی طرف سے جمع کر دی گئی تھی۔"

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :-

" اسلام کے بچے کھچے حریف ، عرب کے مختلف گوشوں میں جو دبے چھپے تھے۔ عہدِ عثمانی کے آخری زمانے کے ماحول کے بعض پہلوؤں کو اپنے پوشیدہ اغراض کی تکمیل کے لیے مناسب اور موزوں پا کر مخفی راہوں سے یہی ارادہ کر کے اٹھے کہ " صحابیت " کی اس قوت پر کوئی ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس کے بعد اسلام کا دینی سرمایہ ہو یا دنیوی ، خود بخود صفر بن کر رہ جائے گا " [۱]

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

" یقیناً جس نصب العین کو لے کر وہ اٹھے تھے ، کامیاب ہو جانے کے بعد اسلام کی فاش شکست پران کی یہ کوشش منتج ہوتی ، خدانخواستہ

---

(۱) تدوینِ حدیث ۔ ص ۔ ۳۴

اگر یہ ہو جاتا تو پہلی صدی ہجری میں جیسا کہ ان بد اندیشوں نے سوچا تھا ، اسلام کا سارا ایوان سربسجود ہو کر رہ جاتا گویا شروع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی تاریخ ہمیشہ کے لیے اسی وقت ختم ہو جاتی۔ اس لیے اسکی تو داد دینی پڑتی ہے کہ تاکنے والوں نے ٹھیک اسی بنیادی اساس کو ضرب لگانے کے لیے تاکا تھا جس پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ بازی جیت لیتے۔ "[1]

بہرحال وہ کامیاب ہوتے یا ناکام رہے، تاہم اپنے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے ایک طریق کار متعین کر گئے جسے اپنا کر حصار اسلام کی بنیادوں کو اگر متزلزل نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم اسلام اور اس کے علمبرداروں کے خلاف حسد کے بھڑکتے ہوئے شراروں کو ٹھنڈا ضرور کیا جا سکتا ہے۔ ان کی اس ناپاک جسارت سے اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیت، کردار، سیرت و عدالت داغدار تو کیا، غبار آلود بھی نہیں ہوئی، ظاہر بین آنکھیں اگر کچھ غبار محسوس کرتی بھی ہیں، تو بھی ان گوہر ہائے صدف نبوت کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ "جوہر در خلاب افتد ہماں نفیس است" (جوہر کیچڑ میں پڑا ہوا بھی بے عیب رہتا ہے) لہٰذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیت، کردار، سیرت اور عدالت تو بے غبار ہے اور قیامت تک بے غبار رہے گی البتہ ان پر کیچڑ اچھالنے والے اور انکی طرف سے دفاع کرنیوالے اپنا اپنا زاد آخرت جمع کرتے رہیں گے۔ اسی امید پہ ہم نے زیر نظر مقالہ میں بقدر استطاعت عدالت صحابہؓ سے متعلق چند ابحاث سپرد قلم کیے ہیں جن سے عدالت صحابہ سے متعلق اکثر شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) تدوین حدیث ص ۴۴۴

صحابی کی تعریف

"صحابی" وہ خوش نصیب مسلمان جس نے ایک نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "صحابی" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

كل مسلم رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم

ہر وہ مسلمان جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

آگے ابو مظفر سمعانی مروزی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اصحاب الحديث يطلقون اسم الصحابة على كل من روى عنه حديثا او كلمة ويتوسعون حتى يعدون من راه رؤية من الصحابة (۱)

محدثین لفظ صحابی کا اطلاق ہر اس مسلمان پر کرتے ہیں جس نے آنحضرتؐ سے کوئی حدیث یا کلمہ روایت کیا ہو اور مزید وسعت کرکے ایسے آدمی کو بھی صحابہ میں شمار کر لیتے ہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دیکھا ہو"

علامہ نوویؒ نے بھی "شرح مسلم" کے مقدمہ میں یہی تعریف کی ہے، اور آخر میں "ولو لحظة" کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے یعنی اگرچہ ایک نظر ہی دیکھا ہو۔

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح - ص ۲۶۳ - طبع جدید۔

آگے اس تعریف کے متعلق لکھتے ہیں۔

هذا هو الصحیح فی حده وهو مذهب احمد بن حنبل و ابی عبد الله البخاری فی صحیحه والمحدثین کافة [1]	صحابی کی تعریف میں یہ قول ہی صحیح ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا اور امام بخاریؒ کا اپنی صحیح میں اور جملہ محدثین کا یہی مذہب ہے۔

بعض علماء نے صحابی کی تعریف میں رؤیت کے ساتھ "طول صحبت اور کثرت مجالست" کی شرط بھی ذکر کی ہے، بعض نے ایک دو غزوات میں شرکت کی شرط اور بعض نے انہیں روایت کی شرط لگائی ہے اور بعض نے عقل و بلوغ کی شرط ذکر کی ہے کہ زائر بوقتِ زیارت عاقل و بالغ ہو۔ لیکن ان میں سے کوئی قول بھی صحیح نہیں ہے ورنہ ایک جماعت کثیرہ صحابی کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ تمام وفود جنہیں بہت تھوڑی دیر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری نصیب ہوئی۔ اور وہ تمام حضرات جنہوں نے صغر سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا تحنیک اور برکت کی دعا کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیے گئے۔ حالانکہ ہر دو قسم کے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل ہیں۔

اطلاقِ لغت کے اعتبار سے بھی "صاحب" کے مفہوم میں ان شرطوں کی گنجائش نہیں کیونکہ لغت میں ہر ساتھی کو صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔ اس میں زمانہ کی قلت و کثرت شرط نہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادیؒ، قاضی ابوبکر محمد بن الطیبؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ شرح مسلم (نووی) ص ۱۹

لاخلاف بين اهل اللغة فی ان القول صحابی مشتق من الصحبة وانه ليس بمشتق من قدر منها مخصوص بل هو جار على كل من صحب غيره قليلا كان او كثيرا ولذالك يقال صحبت فلانا حولا ودهرا وسنة وشهرا ويوما وساعة فيوقع اسم المصاحبة لقليل ما يقع منها و كثيره وذلك يوجب فی حكم اللغة اجراء هذا على من صحب النبی صلی الله عليه وسلم ولو ساعة من نهار [1]

اہل لغت کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صحابی، صحبت سے مشتق ہے (لیکن) صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو جاتا ہے جو کسی کے ساتھ تھوڑی، بہت دیر کے لیے رہا ہو۔ اور ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کا ایک مدت اور ایک زمانہ، ایک سال، ایک ماہ، ایک دن، ایک گھڑی صاحب رہا، پس مصاحبت کا نام کثیر و قلیل مقدار پر واقع ہو جاتا ہے اور یہ اطلاق لفظ صحابی کے اجراء کو ہر اس آدمی پر واجب کرتا ہے جو دن کی ایک ساعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

الاصحاب جمع صاحب والصاحب اسم فاعل من صحبه يصحبه و ذلك يقع على قليل صحابة وكثيرها لانه يقال صحبه ساعة وصحبه شهرا وصحبه سنة۔ [2]

اصحاب صاحب کی جمع ہے اور صاحب "صحب یصحب" سے اسم فاعل ہے، یہ قلیل الصحبۃ اور کثیر الصحبۃ دونوں پر بولا جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ایک ساعت، ایک ماہ، ایک سال اس کا "صاحب" رہا۔

---

(١) کفایہ بغدادی - ص ٥١   (٢) الصارم المسلول - ص ٥٨٠

شارح "شرح عقائد" مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی یہی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

واستدل الجمہور بان الصحبۃ تعم القلیل والکثیر یقال صحبہ ساعۃ

جمہور کا مستدل یہ ہے کہ صحبت قلیل و کثیر کو شامل کہا جاتا ہے کہ فلاں ایک ساعت اسکا ساتھی رہا۔

آگے ایک دوسری دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وثانیا بان الوفود صحابۃ بالاجماع کجریر بن عبد اللہ مع قلۃ مکثہم عندہ [1]

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وفود بالاجماع صحابہ میں داخل ہیں (جیسے جریر بن عبداللہ) باوجود ان کے تھوڑی دیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے

لہٰذا تعریف میں طول صحبت وکثرت مجالست، یا اخذ روایت یا غزوات میں شرکت کی شرط لگانا درست نہیں، بلکہ شرف صحبت کے حصول کے لیے صرف رویت کافی ہے، ایک حدیث کے مضمون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لا تمس النار مسلما رآنی او رای من رآنی ۔

اس مسلمان کو جس نے مجھے یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔ دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی ۔

یہ حدیث صحابہ اور تابعین کے حق میں جنتی ہونے کی بشارت ہے، اور یہ شرف محض صحبت کی برکت ہے۔ اس معلوم ہوا ہے کہ شرف صحبت کیلئے محض رویت

---

(۱) نبراس ص ۵۱۶

کافی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ مولانا مبارکپوری نے اسکو اردو سے عربی الفاظ میں اس طرح نقل کیا ہے فرماتے ہیں:-

خصص هذا الحديث من البشارة بالصحابة و التابعين اتفاقاً منهم[1]

اس حدیث نے جنتی ہونے کی بشارت کو تمام صحابہ وتابعین کے ساتھ خاص کردیا۔ (باتفاق محدثین یا اہلسنت)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الصحابي من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنا به ومات على الاسلام۔

صحابیؓ وہ شخص جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت اسلام ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اسکی موت واقع ہوئی ہو۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے اس تعریف کے متعلق "اصح ما وقفت عليه من ذلك" لکھا ہے۔ یعنی صحابی کی تعریف میں جس قدر اقوال میری نظر سے گذرے ہیں ان سب سے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ پھر اس قول کی جامعیت اور مانعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فيدخل في "من لقيه" من طالت مجالسته او قصرت ومن روى عنه او لم يرو ومن غزا معه او لم يغز ومن رآه رؤية

"من لقی" (جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو) میں ہر وہ شخص داخل ہو گیا جس کی مجالست طویل

---

(۱) تحفۃ الاحوذی۔ ج ۴۔ ص ۳۵۹۔

ونحوهم بجالسه ومن لم يره لعارض كالعمى ويخرج بقيد الايمان من لقيه كافرا ولو اسلم بعد ذلك اذا لم يجتمع به مرة اخرى و قولنا "به" يخرج من لقيه مومنا بغيره كمن لقيه من مؤمنى اهل الكتاب قبل البعثة

ہو یا فقیر اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو یا نہ اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو یا نہ اور وہ بھی داخل ہو گیا جس نے کسی عارضہ مثلاً نابینا پن کی وجہ سے نہ دیکھا ہو۔ اور ایما[1] کی قید سے وہ آدمی تعریف سے خارج ہو گیا جس نے کفر کی حالت میں آپ کو دیکھا ہو اگرچہ بعد میں مسلمان ہو گیا ہو جب کہ وہ دوبارہ آپ کے ساتھ جمع نہ ہوا ہو اور ہمارے قول "بہ" یعنی آپ پر سے وہ آدمی تعریف سے خارج ہو گیا جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے نبی پر ایمان کی حالت میں آپ سے ملا ہو، جیسے مومنین اہل کتاب میں سے کسی نے بعثت سے قبل آپ سے ملاقات کی ہو۔

آگے لکھتے ہیں:۔

وخرج بقولنا "ومات على الاسلام" من لقيه مؤمنا ثم به ثم ارتد فمات على ردته والعياذ بالله

اور ہمارے قول "ومات علی الاسلام" یعنی اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی، سے وہ شخص بھی تعریف سے خارج ہو گیا جس نے بحالت ایمان آپ سے ملاقات کی پھر مرتد ہو گیا اور ردت ہی کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی (العیاذ باللہ)

---

(۱) اصابہ۔ ص ۴، شرح نخبہ، ص (۲) اصابہ۔ ص ۵

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف میں بعض دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور شاذ (شخصی و انفرادی آراء) کہہ کر ان کا رد کر گئے ہیں۔ فرماتے ہیں

وو راء ذلك اقوال أخرى شاذة كقول من قال لا يعد صحابيا الا من وصف باحد اوصاف اربعة، من طالت مجالسته او حفظت روايته او ضبط انه غزى معه او استشهد بين يديه وكذا من اشترط فى صحة صحبته بلوغ الحلم او المجالسة ولو قصرت۔

اور اس کے علاوہ کچھ اور (شخصی و انفرادی قسم کے) اقوال بھی ہیں۔ جیسے قائل کا یہ قول کہ نہیں شمار کیا جائے گا صحابی مگر اسکو جو چار اوصاف میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہو جسکی مجالست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل ہو یا اسکی روایات محفوظ ہوں یا یہ معلوم ہو کہ وہ آپ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوا ہے یا آپکی موجودگی میں شہید کیا گیا اور ایسے ہی جس نے صحت صحبت میں بلوغ کی قید لگائی یا مجالست کی اگرچہ تھوڑی ہو۔ (یہ قول بھی شاذ ہے)

آگے چل کر حافظ ابن صلاح اور علامہ ابن نووی کی بیان کردہ تعریف پر (جو جمہور محدثین کی طرف منسوب ہے) یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ان صحابہ پر صادق نہیں آتی جنھوں نے کہ سن تمیز سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کیونکہ رؤیت کی نسبت انکی طرف صحیح نہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

واطلق جماعة ان من رأى النبى صلى الله عليه وسلم فهو صحابى

اور ایک جماعت نے مطلقاً یہ کہہ دیا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پس

وهو محمول علی من بلغ سن التمیز — وہ صحابی ہے (انکا) یہ قول مجمل ہے۔
اذمن لم یمیز لاتصح — اس صحابی پر بوقت رؤیت سن تمیز کو پہنچ
نسبۃ الرؤیۃ الیہ۔ — چکا ہو کیونکہ جو سن تمیز کو نہیں پہنچا رؤیت
کی نسبت اسکی طرف صحیح نہیں۔

لیکن یہی اعتراض خود حافظ صاحب کی تعریف پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جس کی طرف رؤیت کی نسبت درست نہیں۔ اس کی طرف لقاء کی نسبت بالاولی درست نہیں۔ لہذا حافظ صاحب کی تعریف بھی انہی صحابہؓ پر صادق آئے گی جو بوقت رؤیت سنِ تمیز کو پہنچ چکے ہوں۔

آگے خود ہی اس اعتراض کو دفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

نعم یصدق ان النبی صلی اللہ — ہاں یہ ٹھیک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم راٰہ فیکون صحابیا — نے اس کو دیکھا ہے پس وہ اسی حیثیت
من ھذہ الحیثیۃ [1] — سے صحابی کہلائے گا۔

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کی ذکر کردہ تعریف پہ جو اعتراض ہوتا تھا اس کا بھی زیادہ سے زیادہ یہی جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد دونوں تعریفیں بے غبار ہو جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے بے غبار اور جامع تعریف یہ ہو سکتی ہے۔

کل مسلم رأی النبی صلی اللہ — ہر وہ مسلمان جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا
علیہ وسلم او رآہ النبی صلی اللہ — ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور
علیہ وسلم ومات علی الاسلام — اسلام پہ اس کی موت واقع ہوئی ہو۔

---

(۱) اصابہ۔ ص ۵

لیکن تادم تحریر ہمیں اس تعریف پر کوئی نقل نہیں مل سکی۔ تاہم اسے بے اصل بھی نہیں کہا جا سکتا۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو، اگرچہ آپ کی زیارت نہ کی ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

والقول السادس ۔ انہ من ادرک زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مسلم وان لم یرہ [1]	صحابی کی تعریف میں چھٹا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو۔ اگرچہ آپ کو دیکھا نہ ہو۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول یحییٰ بن عثمان بن صالح بصری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحابی کی تعریف میں یہ قول تمام اقوال سے ضعیف اور ناقابل قبول ہے، کیونکہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ باتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن والدہ کی خدمت میں مصروف ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان اور مستجاب الدعوات ہونے کی شہادت دی ہے۔ بعض روایات میں ان کے تابعی ہونے کی تصریح بیان کی گئی ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ثانیاً اسی نظریہ کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ولیس کل من ادرکہ علیہ السلام ہر وہ شخص جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح المغیث (عراقی) ج ۴ ۔ ص ۳۳ ۔

ولم يلقه ثم اسلم بعد موته عليه السلام او في حياته الا انه لم يره - معدود في الصحابة ولو كان ذلك لكان كل من كان في عصره عليه السلام صحابياً ولا خلاف بين احد في ان علقمة والاسود ليسا صحابيين وهما من الفضل والعلم والبر بحيث هما وقد كانا عالمين جليلين ايام عمر واسلما في ايام النبي صلى الله عليه وسلم [1]

کا زمانہ پایا ہو اور آپ سے ملاقات نہ کی ہو۔ پھر آپ کی وفات کے بعد یا زندگی ہی میں مسلمان ہو گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو، صحابہؓ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے زمانے کا ہر آدمی صحابی ہونا چاہیے، اور کسی کے درمیان اس بات میں اختلاف نہیں کہ علقمہ اور اسود علم و فضل و صلاح میں اپنے بلند مقام کے باوجود صحابی نہیں حالانکہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جلیل القدر عالم مانے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

---

(۱) الاحکام الاحکام ابن حزمؒ۔ ج ۲ - ص ۸۳

صغیر السن صحابہؓ

صغیر السن صحابہ کرامؓ سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے سن تمیز سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، یا وہ نو مولود جو تحنیک اور برکت کی دعا کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے اور بعد میں ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونا ثابت نہیں ہو سکا۔ یہ حضرات بھی صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت ہے۔ چند کے اسماءِ گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) محمد بن حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ،
(۲) عبد الرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ،
(۳) محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ،
(۴) عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ،
(۵) عبد اللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہ،
(۶) عبد اللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ،
(۷) محمد بن ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ،
(۸) یحییٰ بن خلاد بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ،
(۹) محمد بن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ،

(١٠) عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ،

(١١) عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ،

(١٢) عبدالرحمٰن بن القادری وغیرھم رضوان اللہ علیہم اجمعین

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کو "اصابہ" میں "القسم الثانی" کے تحت ذکر کیاہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"القسم الثانی" فیمن ذکر فی الصحابۃ من الاطفال الذین ولدوا فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبعض الصحابۃ من النساء والرجال ممن مات صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی دون سن التمییز اذ ذکر اولائک فی الصحابۃ انما ھو علی سبیل الالحاق لغلبۃ الظن علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رآھم لتوفر دواعی اصحابہ علی احضارھم اولادھم عندہ عند ولادتھم لیحنکھم و یسمیھم و یبرک علیھم

دوسری قسم، ان حضرات میں جو صحابہؓ میں ذکر کیے جاتے ہیں یعنی وہ بچے جو زمانہ نبوی میں بعض صحابہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ عورتیں اور مرد جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں چھوڑ کر وفات پائی کہ وہ ابھی سن تمیز کو نہیں پہنچے تھے کیونکہ صحابہ میں انکا ذکر بر سبیل الحاق ہے۔ اس گمان غالب کی بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کرام میں اپنے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرنے کا داعیہ کثرت سے پایا جاتا تھا تاکہ آپ ان کو تحنیک کریں اور انکا نام رکھیں"

والاخبار بذلك كثيرة شهيرة ...	اور ان کے لیے برکت کی دعا کریں۔ اور
...... لكن احاديث هولاء	روایات اس کے متعلق کثیر اور مشہور ہیں
من قبيل المراسيل عند المحققين	.... لیکن ان حضرات کی احادیث محقق
من اهل العلم بالحديث و	علماء حدیث کے نزدیک از قبیل مراسیل
لذلك افردتهم من	ہوں گی۔ اسی لیے میں نے پہلی قسم کے
اهل القسم الاول [1]	صحابہ سے ان کو الگ ذکر کیا ہے۔

مخضرمین

مخضرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے نبوت اور نبوت سے پہلے کا زمانہ پایا ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ثابت نہ ہو، خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے یا بعد میں مسلمان ہوئے۔ جن کتابوں میں صحابہ کرام رض کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں ایسے لوگوں کو بھی صرف اسی نسبت سے ذکر کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔ ورنہ بالاتفاق یہ لوگ صحابہ میں داخل نہیں اور محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی روایات از قبیل مراسیل ثابت ہوتی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

القسم الثالث۔ فيمن ذكر	تیسری قسم: ان حضرات میں جو معرفت صحابہ

---

(۱) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱ - ص ۱۳

فی الکتب المذکورۃ من المخضرمین	کی کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں یعنی مخضرمین
الذین ادرکوا الجاھلیۃ والاسلام	جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا
وھولاء لیسوا صحابۃ باتفاق	اور یہ لوگ باتفاق علماء حدیث آپ کے
من اھل العلم بالحدیث وان	صحابہؓ نہیں ہیں اگرچہ بعض علماء نے ان
کان بعضھم قد ذکر بعضھم	میں سے بعض کو معرفت صحابہ کی کتابوں
فی کتب معرفۃ الصحابۃ فقد	میں ذکر کر دیا ہے (لیکن ساتھ ہی) یہ
افصحوا بانھم لم یذکروھم	تصریح بھی کر دی ہے کہ ان حضرات کو
الا لمقاربتھم لتلک الطبقۃ	ان صحابہ کرام کے طبقہ کے قریب ہونے کی
لا انھم من اھلھا..... واحادیث	وجہ سے صحابہ کرام میں ذکر کر دیا ہے کہ
ھولاء عن النبی صلی اللہ علیہ	یہ بھی اسی طبقہ کے لوگ ہیں......
وسلم مرسلۃ بالاتفاق بین	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی
اھل العلم بالحدیث وقد صرح	روایات باتفاق محدثین از قبیل مراسیل
ابن عبد البر نفسہ بذلک	ہیں۔ خود علامہ ابن عبد البر نے بھی
فی التمھید وغیرہ من	"تمہید وغیرہ" اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے
کتبہ۔	

ایک اشتباہ

کچھ لوگ غلطی سے معرفت صحابہؓ کی کتابوں میں درج ہوتے چلے آتے ہیں۔ سب سے پہلے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تمیز کی اور الگ ایک قسم کے تحت انکو ذکر کیا ہے

اور چودہ سو سے زائد اس قسم کے نام شمار کئے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے اس فنی کمال کی طرف سبقت پر فخر کا اظہار کیا ہے اور انہیں بجا طور پر اس کا حق ہے۔ "اصابہ" میں اس قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اَلقسم الرابع" فيمن ذكر
في الكتب المذكورة على
سبيل الوهم والغلط و
بيان ذلك البيان الظاهر
الذى يعول عليه طى أُلق
اهل حديث ولم اذكر فيه
بيناً واما مع احتمال عدم
الوهم فلا الا ان كان ذلك
الاحتمال يغلب على الظن
بطلانه وهذا القسم الرابع
لا اعلم من سبقني اليه ولا
من حام طائر فكره عليه
وهو الضالة المطلوبة في
هذا الباب الزاهر وزبدة ما
يمخضه من هذا الفن اللبيب
الماهر [1]

"چوتھی قسم" ان حضرات میں جو معرفت
صحابہ کی کتابوں میں بر سبیلِ تذکرہ وہم و غلط
ذکر ہوتے چلے آتے ہیں۔ اور نہیں ذکر
کروں گا اس میں مگر وہی کہ وہم اس میں
واضح ہو لیکن عدم وہم کے احتمال کے ساتھ
پس ذکر نہیں کروں گا مگر یہ کہ وہ احتمال
ایسا ہو کہ اس کے باطل ہونے کی گمان
غالب ہو اور یہ چوتھی، میں نہیں جانتا
کہ مجھ سے پہلے کسی نے اس کی طرف
سبقت کی ہو اور کسی کے طائرِ فکر نے
اس پر پرواز کی ہو، اور یہ اس پر رونق
باب میں ضالہ مطلوبہ ہے۔
اور مکھن جسے ماہر لبیب اس
فن سے بلوتا ہے۔

---

(۱) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۴

معرفتِ صحابہؓ کا طریقہ

علماء نے معرفتِ صحابہ کے حسب ذیل پانچ طریقے بیان فرمائے ہیں :-

(۱) **تواتر** : یعنی کسی کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے چاروں خلفاء راشدین۔

(۲) **شہرت** : یعنی کسی کا صحابی ہونا حدِ شہرت کو پہنچ چکا ہو جیسے اکثر صحابہ کرامؓ

(۳) کوئی معروف الصحبت صحابی کسی کے متعلق کہے کہ یہ صحابی ہے۔

(۴) تابعی کسی کے متعلق کہے کہ یہ صحابی ہے۔

(۵) کوئی ایسا آدمی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو کہے کہ میں صحابی ہوں بشرطیکہ عادل ہو کیونکہ ثبوتِ عدالت سے پہلے اس کے دعویٰ صحابیت کو مان لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ میں عادل ہوں کیونکہ صحابیت کو عدالت لازم ہے لیکن یہ دعویٰ ہجرت نبوی سے ۱۰۰ سال تک درست ہے اس کے بعد درست نہیں اور یہ صحیحین کی ایک روایت سے مستنبط ہے

ایک ضابطہ

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے معرفتِ صحابہ کے سلسلہ میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کا غزوات میں امیر ہونا

معلوم ہو جائے وہ یقیناً صحابی ہوگا۔ کیونکہ غزوات میں صحابیؓ کو امیر بنایا کرتے تھے۔ ثانیاً جس کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا کیونکہ اہل مدینہ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو تحنیک وغیرہ کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ ثالثاً جس آدمی کے متعلق ثابت ہو کہ وہ مکہ اور طائف کا رہنے والا ہے کیونکہ مکہ اور طائف کے تمام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوتے تھے، حافظ علیہ الرحمۃ نے تین آثار سے یہ ضابطہ مستنبط کیا ہے۔ [۱]

کتب معرفتِ صحابہؓ

اس دور میں معرفتِ صحابہ کا طریقہ ان کتابوں کا مطالعہ ہے جو اس موضوع پر لکھی گئیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک اس فن میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے تین جامع اور مشہور ہیں۔ (۱) الاستیعاب (۲) اسد الغابہ (۳) الاصابہ۔ موخر الذکر تمام کی جامع ہے۔ اس کے بعد اس فن میں کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ملتا، مگر انہی کتابوں کے ذیول اور مختصرات۔ شاید اس کے بعد کسی نے اس فن پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیونکہ حافظ ابن حجرؒ کی کوشش اس سلسلہ میں آخری کوشش ہے۔

ذیل میں مذکورہ بالا کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

---

(۱) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۶

الاستیعاب :-

یہ حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ (معروف ابن عبد البر) نمری قرطبی متوفی ۴۶۳ھ کی تصنیف ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو ولید باجی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

له تواليف لا مثل لها منها كتاب الاستيعاب في الصحابة ليس لاحد مثله۔ [1]

علامہ ابن عبد البر کی بہت سی تالیفات ہیں جن کی مثال نہیں۔ ان میں سے ایک ہے "الاستیعاب" اس جیسی تصنیف کسی کی نہیں

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں :-

هو كتاب جليل القدر ذكر فيه اولا خلاصة سيرة نبينا عليه الصلوٰة والسلام ثم رتب الاصحاب على ترتيب الحروف لاهل المغرب وجمع من فيه باسماء وكنيته ثلاثة الاف و خمس مأة ترجمة۔ [2]

یہ کتاب جلیل القدر ہے، پہلے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ تمام صحابہ جو اس میں نام اور کنیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "معرفت صحابہ" کے متعلق لکھتے ہیں :-

هذا علم كبير قد الف الناس فيه كتبا كثيرة ومن اجلها و

معرفت صحابہ بڑا علم ہے۔ لوگوں نے اس میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۳۔ ص ۳۰۶ (۲) کشف الظنون۔ ج ۱۔ ص

اکثرها فوائد "کتاب الاستیعاب" لابن عبد البر لولا ما شانه به من ایراده کثیرا مما شجر بین الصحابة وحکایاته من الاخباریین لا المحدثین وغالب علی الاخباریین الاکثار والتخلیط فیما یروونه له

جلیل القدر اور کثیر الفوائد ابن عبد البر کی کتاب "الاستیعاب" ہے۔ اگر وہ اس کو صحابہؓ کے اختلافات اور محدثین کی بجائے اخباریوں سے ان کی حکایات کے ساتھ عیب دار نہ کر لیتا حالانکہ اخباریوں پر کثرت روایت اور روایات میں خلط کا غلبہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اسکی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وسمّی کتابه بالاستیعاب لظنه انه استوعب ما فی کتب من قبله ومع ذلک ففاته شئ کثیر۔ ۲

ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب کا نام استیعاب رکھا اس خیال سے کہ انہوں نے پہلی کتابوں میں جو کچھ ہے اس کا استیعاب کر لیا ہے، اس کے باوجود ان سے بہت کچھ رہ گیا ہے۔

اسد الغابہ :۔

یہ عز الدین ابو الحسین ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ کی تصنیف ہے۔ پانچ، چھ جلدوں میں ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں پہلی اکثر کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جمع فیه کثیرا من التصانیف المتقدمة مصنف نے اکثر پہلی کتابوں کو اسمیں جمع کر دیا ہے۔

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۹۲۔ طبع جدید (۲) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱ ص ۲

آگے چل کر اسمیں مذکور صحابہ کرام کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

رأیت بخط الذھبی ان جمیع من فی اسد الغابۃ سبعۃ آلاف وخمس مأۃ واربعۃ وخمسون نفساً [۱]	میں نے علامہ ذہبی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "اسد الغابہ" میں کل ۷۵۵۴ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے۔

لیکن یہ تعداد خالص صحابہؓ کی نہیں بلکہ غلطی سے بعض غیر صحابہ بھی اسمیں آگئے ہیں۔ اور یہ غلطی ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی سے نہیں ہوئی بلکہ اس میں انہوں نے اپنے پیشرو مؤلفین کی اتباع کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

انہ تبع من قبلہ فخلط من لیس صحابیا بھم [۲]	مصنف نے پہلوں کے اتباع میں غیر صحابہ کو صحابہؓ کے ساتھ ملا دیا ہے

الاصابہ :۔

یہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ صاحبؒ "الرسالۃ المستطرفہ" لکھتے ہیں :۔

جمع فیہ ما فی الاستیعاب و ذیولاتہ و اسد الغابہ و التجرید و زاد علیھم کثیرا لکنہ مات قبل عمل المبھمات [۳]	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں استیعاب اور اس کے ذیل اور اسد الغابہ اور تجرید کو جمع کر دیا ہے لیکن مبہمات کی تکمیل سے قبل فوت ہو گئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

میزت فیہ الصحابۃ من غیرھم	میں نے اسمیں صحابہ کو غیر صحابہ سے الگ کر دیا ہے۔

---

(۱) مقدمہ اصابہ ۔ ج ۱ ص ۔ ۲-۳ (۲) مقدمہ اصابہ ۔ ج ۱ ۔ ص ۴

چنانچہ انہوں نے اس کتاب کو چار اقسام پر ترتیب دیا ہے۔ پہلی قسم میں ایسے صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سنِ تمیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اور دوسری قسم میں ایسے صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سنِ تمیز سے قبل آپ کو دیکھا یا تحنیک وغیرہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور تیسری قسم میں مخضرمین کا ذکر کیا ہے۔ اور چوتھی قسم میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو غلطی سے کتبِ صحابہ میں ذکر ہوتے چلے آئے۔

اسی نام کی ایک کتاب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے شمس الدینؒ محمد المقدسی م ۷۹۰ھ نے بھی لکھی ہے۔ لیکن وہ استیعاب کا اختصار ہے۔

صحابہ کرامؓ کی کل تعداد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کل تعداد کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ مشہور ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب تھی لیکن بہت کچھ تلاش کرلنے کے باوجود اس کی کوئی نقل نہیں مل سکی۔ البتہ جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سے سنا اور روایت کی، امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مأۃ الف واربعۃ عشر الفاً من الصحابۃ ممن روی عنہ وسمع منہ [1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ چھوڑ کر وفات پائی، جنہوں نے آپ سے روایت کی اور سنا۔

ابن فتحون رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" پر ذیل لکھی ہے۔ اس میں امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

اجاب ابو زرعۃ بھذا سوال من سألہ عن الرواۃ خاصۃ فکیف بغیرھم [2]	امام ابوزرعہؒ کا یہ قول اس شخص کے جواب میں ہے جس نے بالخصوص رواۃ صحابہؓ کے متعلق سوال کیا تھا پس ان کے علاوہ اور کتنے صحابہ ہوں گے۔

(۱) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۳
مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۹۸ طبع جدید

(۲) مقدمہ اصابہ۔ ج ۱۔ ص ۳

بہر حال صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار سے زائد ہے۔ جس میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، قدیم الاسلام اور نومسلم سب شامل ہیں۔

اور یہ سب یکساں طور پر شرفِ صحبت سے مشرف ہیں۔ البتہ مراتب میں فرق ہے۔

صحابۂ کرام میں فرقِ مراتب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں فرقِ مراتب بجا ہے ۔ اور اصل اسمیں حق تعالےٰ مجدہٗ کا یہ ارشاد ہے :۔

لا یستوی منکم من انفق	برابر نہیں تم میں جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ
من قبل الفتح و قاتل اولٰئک	سے پہلے اور لڑائی کی ۔ ان لوگوں کا درجہ
اعظم درجۃ من الذین انفقوا	بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے
من بعد و قاتلو وکلا وعد اللہ	بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا
الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر	ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

لیکن فرقِ مراتب بیان کرنے کا یہ انداز بالکل غلط ہے کہ بعض صحابہؓ کے لیے تزکیہ و تربیت کے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے نقص کا اثبات کیا جائے ۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تعدیل و تزکیہ میں غلط بیانی یا مبالغہ سے کام لیا ہے ۔ " فتعالا من ذلک " اور امت نے ان کی طہارت و نزاہت اور عدالت پر اجماع کرنے میں غلطی کی ہے ۔ اس لیے فرق مراتب بیان کرنے میں ادب یہ ہے کہ ایسے انداز سے مراتب کا فرق بیان کیا جائے کہ کسی ذی شان کی شان میں تنقیص نہ ہو ۔ خود انبیاؑ کاملین کے نص قرآنی میں " فضلنا بعضھم علی بعض "

سے فرقِ مراتب ظاہر ہے۔ لیکن اس فرق کو بیان کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم دی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے :۔

لا تفضلونی علی یونس بن متیؑ	مجھے یونس ابن متیؑ پر فضیلت نہ دو۔

یعنی اس انداز سے میری فضیلت بیان نہ کرو کہ اس سے یونس ابن متیؑ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو یہی ادب صحابہ کرامؓ میں فرقِ مراتب کیوقت ملحوظ رکھا جائیگا اسلئے اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرامؓ میں فرقِ مراتب کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ تمام صحابہؓ تمام پہلوؤں سے کامل تھے۔ لیکن ان میں سے بعض اکمل تھے بتقدیر صحت حدیث "اصحابی کالنجوم" میں اسی فرقِ مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح ہر ستارہ اپنی ذات اور وجود کے اعتبار سے کامل اور روشن ہوتا ہے اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ روشن ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی طرف بھی نقص کی نسبت نہیں کی جاسکتی، صحابہ کرام کی مثال بھی یہی ہے۔

خود رب العزت نے صحابہ میں فرقِ مراتب کا یہی ادب بتایا کہ کسی طرف نقص کی نسبت نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں :۔

یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم بعضھا اضوء من بعض۔	اے محمدؐ تیرے صحابہ میرے نزدیک بمنزلہ ستاروں کے ہیں کہ بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں۔

اس حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کو ستاروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور پھر ستاروں میں کسی کیطرف بھی نقص کی نسبت نہیں کی بلکہ فرمایا: "بعضھا اضوء من بعض" یعنی ان میں سے بعض زیادہ روشن ہیں۔ لہٰذا ادب یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کی طرف بھی نقص کی نسبت نہ کی جائے۔ اس موقع پر "زلات" کو زیر بحث لاکر خلط بحث نہ کیا جائے۔ کیونکہ انتہائی مراتب کمال پر فائز ہو جانے کے بعد بھی کسی

کامل سے اس کے مناسب شان زلہ کا صدور ممکن ہے۔ اور اس سے اس کے
مرتبہ کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ غیر معصوم سے صدور معصیت اور اسکے غیر قادح
ہونے کی بحث عدالت صحابہ کرامؓ کی بحث کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

افضل اصحابؓ

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفصل" میں "الکلام فی وجوہ الفضل والمفاضلۃ بین الصحابۃ" کے زیر عنوان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مفاضلہ اور وجوہ فضیلت پر مفصل کلام کیا ہے۔ افضل الصحابہ رضؓ کے متعلق حسب ذیل متعدد اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الامت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ قول بعض اہل السنۃ اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ اور تمام شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بعض صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ یہ قول انہوں نے تمام خوارج اور بعض اہل السنۃ اور بعض معتزلہ اور بعض مرجیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۳) تمام صحابہؓ سے افضل جعفرؓ بن ابی طالب ہیں، یہ قول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ابوعاصم نبیل اور عیسیٰ بن حاضر بھی اسی کے قائل ہیں، اور عیسیٰ بن حاضر حضرت جعفرؓ کے بعد حضرت حمزہؓ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

(۴) تمام صحابہ سے افضل حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیر بن العوامؓ ہیں۔

یہ قول بعض صحابہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۵) سعد بن معاذ، اُسید بن حضیر، عباد بن بشر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ یہ قول حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۶) ابو سلمہ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ یہ قول ام سلمہؓ کیطرف ہے۔

(۷) مسروق بن اجدع، تمیم بن حزم، ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ افضل الصحابہ ہیں۔

(۸) بعض، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پوری امت پر فضیلت دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی، حاکم نیشاپوری اسی طرف مائل ہیں۔

(۹) داؤد بن علی ظاہری فرماتے ہیں کہ کسی خاص صحابی کو کسی پر فضیلت دینا درست نہیں ہے۔ البتہ صحابہؓ کرام بحیثیت مجموعی پوری امت سے افضل ہیں اور صحابہ کرامؓ میں سے مہاجرین اولین، پھر انصار اولین۔

ان تمام اقوال کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تمام امت سے افضل ہیں پھر ابوبکر صدیقؓ اور باقی تمام صحابہ یکساں ہیں۔

پھر اس کے بعد وجوہِ فضیلت اور ازواجِ مطہرات کی فضیلت کے دلائل بیان کرتے ہوئے دور تک چلے گئے ہیں۔[۱]

مذکورہ بالا صحابہ کرام میں سے کسی کے فضائل سے بھی انکار نہیں۔ اور خصوصاً ازواجِ مطہرات مومنین کی مائیں ہونے کے اعتبار سے خصوصیت کے ساتھ قابلِ احترام ہیں، لیکن یہ تمام اقوال اہلسنت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہیں۔

---

(۱) الفصل

ذیل میں عقائد اور شروح حدیث کی کتابوں سے علماء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں

عقائد کی مشہور کتاب فقہ اکبر میں ہے (جس کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔)

افضل الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللّٰہ عنہ ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی ابن ابی طالب رضوان اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر بن خطاب پھر عثمان بن عفان، پھر علی ابن ابی طالب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وتفضیل ابی بکر وعمر رضی اللّٰہ عنہما متفق علیہ بین اہل سنۃ وہذا الترتیب بین عثمان وعلی رضی اللّٰہ عنہما وہو ما علیہ اکثر اہل سنۃ۔	حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اہلسنت کے درمیان متفق علیہ ہے اور یہی ترتیب حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے۔ اکثر اہل سنت کی یہی رائے ہے۔

ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں:-

وروی عن ابی حنیفۃ تفضیل علیؓ علی عثمانؓ والصحیح ما علیہ جمہور اہل سنۃ وہوا	اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی تفضیل منقول ہے اور صحیح جمہور اہلسنت ہی کی رائے اور

الظاهر من قول ابي حنيفةؒ على ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة [1]

اور بظاہر امام صاحب کا قول بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے افضلیت کی ترتیب بیان مراتب خلافت کے موافق بیان فرمائی ہے۔

عقائد نسفی میں بھی خلفائے راشدین کے درمیان افضلیت کی یہی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی شارح عقائد نسفی لکھتے ہیں :-

على هذا الترتيب وجدنا السلف والظاهر انه لو لم يكن لهم دليل على ذالك لما حكموا بذالك "

ہم نے سلف کو اسی ترتیب کے قائل پایا ہے، دیکھیئے اگر ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ کبھی اس کا حکم نہ کرتے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ افراط کی حد تک اہل بیت سے محبت رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سلف کے اس قول سے کہ اہل سنت کی دو علامتیں ہیں، شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو داماد (علیؓ و عثمانؓ) سے محبت رکھنا، یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ سلف حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کے قول سے توقف کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

وكان السلف كانوا متوقفين فى تفضيل عثمانؓ على عليؓ حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة

گویا سلف حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دینے میں متوقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی

---

(۱) فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری۔ ص ۷۶

تفضیل الشیخین ومحبة الختنین۔ افضلیت کے عقیدہ کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو داماد (عثمانؓ وعلیؓ) کی محبت کو اہل سنت کی علامت قرار دیتے ہیں۔

یہ قول جس پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان افضلیت کا قول کرنے سے توقف کی بنیاد رکھی ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ شاید اسی قول کی بنا پر غلط فہمی سے کسی نے امام صاحب کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے۔ حالانکہ نہ تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقائد میں امام صاحب سے اس قسم کی کوئی بات نقل کی ہے اور نہ ہی بعد والوں میں سے کسی نے اس کی تصریح کی ہے چنانچہ امام ابن حزمؒ یا امام ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان لوگوں کے نام شمار کرتے ہوئے جو حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی افضلیت یا توقف کے قائل ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ حضرت امام مالکؒ، حضرت خزیمہؒ اور کچھ دوسرے حضرات کے نام لیے ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ذکر نہیں کیا، چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

قال بعض اهل السنة من اهل الكوفة بتقديم عليؓ على عثمانؓ والصحيح المشهور تقديم عثمانؓ۔ اہل کوفہ میں سے بعض اہل سنت حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ صحیح اور مشہور حضرت عثمانؓ کی افضلیت ہے۔

امام نوویؒ کے قول ”بعض اہل کوفہ“ سے حضرت سفیان ثوریؒ بھی مراد لیے جا

سکتے ہیں، کیونکہ ان کی طرف بھی یہی بات منسوب ہے۔ لیکن انکا بھی اس سے رجوع ثابت ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وذهب بعض السلف الى تقديم علىؓ على عثمانؓ قال به سفيانؒ الثورى ويقال انه رجع وقال به خزيمة وطائفة قبله وبعده۔ ؎۱

اور بعض سلف حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کی طرف گئے ہیں، چنانچہ سفیان ثوریؒ اسی کے قائل ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھوں نے رجوع کر لیا تھا اور حضرت خزیمہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ان سے پہلے اور بعد بھی ایک جماعت اسی کی قائل رہی ہے۔

آگے متوقفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقيل لا يفضل احدهما على الآخر قاله مالك فى المدونة وتبعه جماعة منهم يحيى القطان ومن المتاخرين امام ابن حزم ؎۲

اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں حضرات (عثمانؓ و علیؓ) میں سے کسی کو دوسرے پر تفضیل نہیں دی جائے گی۔ یہ بات امام مالکؒ نے مدونہ میں کہی ہے اور ایک جماعت نے انکی پیروی کی ہے۔ انہی میں سے یحییٰ قطان ہیں اور متاخرین میں سے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کی نسبت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

---

(۱) فتح الباری۔ ج ۷۔ ص ۱۳ (۲) فتح الباری۔ ج ۷۔ ص ۱۳

کی ہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:۔

واکثر علمائے اہل سنت برآن اند کہ افضل بعد از شیخین عثمانؓ است پس علیؓ و مذہب ائمہ اربعہ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در فضیلت عثمانؓ از امام مالک نقل کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ او رجوع کردہ است از توقف بسوئے فضیلت عثمان و قرطبی گفتہ است ہو الاصح ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اکثر علمائے اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد افضل ترین امت حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ مرتضیٰ۔ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے اور بعض لوگوں نے جو امام مالکؒ سے افضلیت عثمانؓ کے بارے میں توقف نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق امام قاضی عیاضؒ مالکی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا اور آخر الامر افضلیت عثمانؓ کے قائل ہو گئے تھے اور علامہ قرطبی نے بھی اسکی تصدیق و تصحیح کی ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے متاخرین میں سے امام ابن حزمؒ کی طرف بھی توقف کی نسبت کی ہے۔ حالانکہ "الفصل" میں ابن حزمؒ نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اختلف الناس فیمن افضل عثمان ام علی رضی اللہ عنہما والذی یقع فی نفوسنا دون ان نقطع

حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے، عثمانؓ یا علیؓ،

به ولا نخطئ من خالفنا في ذلك فهو ان عثمان رضـ افضل من علي رضـ

والله اعلم

سلہ

اور اس بارے میں جو بات ہمارے دل میں کھٹکتی ہے، بدوں اس کے کوئی قطعی فیصلہ دیں اور مخالفین کو خطا کار کہیں، پس وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضـ حضرت علی رضـ سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم

اہم پر مطلب

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت عثمان رضـ اور حضرت علی رضـ کے درمیان افضلیت کے قول سے توقف کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کسی نے غلط فہمی کی بنا پر کر دی ہے۔ اور اس کی بنیاد یا تو شراح حدیث کی عبارات "بعض اہل کوفہ" کا لفظ ہے یا ان کا یہ قول کہ اہل سنت کی علامات میں سے شیخین رضـ کی افضلیت کا عقیدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دو داماد حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبت ہے۔ بعض اہل کوفہ کا مصداق تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحـ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کی طرف بھی توقف کی نسبت ہے اور امام صاحب کے اس قول سے توقف پر استدلال کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کے اعتقاد کی بجائے ان دونوں کی محبت اہل سنت کی علامت بننے کی زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قاتلین عثمان سے خون کا بدلہ نہ لینے کی وجہ سے حضرت عثمان رضـ کے عقیدت مند حضرت علی رضـ سے بغض رکھنا شروع کر دیں اور اس کے

مقابلہ میں حضرت علی رضؓ کے عقیدتمند حضرت عثمان رضؓ سے بغض رکھنا شروع کر دیں۔ اسلیے کہا گیا کہ دونوں حضرات سے محبت رکھنا اہل سنت کی علامت ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

کیف وکتب الحنفیۃ مشحونۃ بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم۔ [1]

یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق توقف یا عدم تفاضل مابین حضرت عثمانؓ و علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ انکی افضلیت علی ترتیب خلافت ہے

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ سے اگر کوئی روایت اس قسم کی ہو بھی تو انکا ظاہر مذہب اس کے خلاف ہے چنانچہ شارح عقیدہ طحاویہ لکھتے ہیں :۔

وقد روی عن ابی حنیفۃؒ تقدیم علیؓ علی عثمانؓ ولکن ظاھر مذھبہ تقدیم عثمانؓ علی علیؓ وعلی ھذا عامۃ اھل السنۃ [2]

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ پر فضیلت منقول ہے لیکن ان کا ظاہر مذہب عثمانؓ کی فضیلت ہے علیؓ پر اور عام اہل سنت کی بھی یہی رائے ہے۔

اس سے قبل خلفاء راشدین کی افضلیت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وترتیب الخلفاء الراشدین رضی اللہ علیھم اجمعین

فضیلت میں خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت میں ترتیب کی طرح ہے اور حضرت

---

(۱) ... (۲) شرح عقیدہ طحاویہ ۔ ص ۴۰۹

فی الفضل کتب تیبعھم فی	ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر
الخلافۃ ولابی بکر وعمر	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مزید
رضی اللہ عنھما من المزیۃ	فضیلت ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کے درمیان تفاضل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قال الامام ابو عبد اللہ المازری	امام ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں کہ
اختلف الناس فی تفضیل بعض	بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت دینے میں
الصحابۃ علی بعض فقالت	لوگوں کا اختلاف ہے ، ایک جماعت یہ
طائفۃ لا تفاضل بل تمسک	کہتی ہے کہ صحابہ کے درمیان کوئی تفاضل
من ذلک وقال الجمھور	نہیں بلکہ اس معاملہ میں خاموش رہنا
بالتفضیل ثم اختلفوا فقال	چاہیے اور جمہور تفضیل کے قائل ہیں پھر ان
اھل السنۃ افضلھم ابوبکر	کا بھی آپس میں پھر اختلاف ہے۔ اہلسنت
الصدیق وقال الخطابیۃ	کے نزدیک ابوبکر افضل ہیں اور خطابیہ
افضلھم عمر بن الخطاب	کے نزدیک عمر بن خطاب اور راوندیہ
وقالت الراوندیۃ افضلھم	کے نزدیک حضرت عباس افضل ہیں
العباس وقالت الشیعۃ علی	اور شیعہ کے نزدیک حضرت علی ۔

اختلاف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

واتفق اھل السنۃ علی ان	اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ
افضلھم ابوبکر ثم عمر وقال	صحابہ میں افضل ابوبکر ہیں ، پھر عمر ،
بعض اھل السنۃ من	جمہور نے کہا پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہا

اهل الكوفة بتقديم علىؓ
على عثمانؓ والصحيح المشهور
تقديم عثمانؓ -
قال ابو منصور البغدادیؒ
اصحابنا مجمعون على ان
افضلهم الخلفاء الاربعة
على الترتيب المذكور ثم
تمام العشرة ثم اهل بدر ثم
احد ثم بيعة الرضوان وممن
له مزية اهل العقبتين
من الانصار وكذلك
السابقون الاولون وهم من
صلى الى القبلتين فى قول
ابن المسيب وطائفة، وفى
قول الشعبى اهل بيعة
الرضوان وفى قول عطاء و
محمد بن كعب اهل بدر [1]

اہل کوفہ میں سے بعض اہل سنت کا قول
ہے کہ علیؓ عثمانؓ پر مقدم ہیں۔
ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے
اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام میں سے
خلفاء اربعہ بترتیب خلافت افضل ہیں پھر
عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر پھر احد ثم اہل بیعت
رضوان۔ انصار اہل العقبتین میں سے
صاحب فضیلت اور ایسے ہی سابقین اولین
اور ابن مسیب اور ایک جماعت کے قول
کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیت اللہ
اور بیت المقدس دونوں کی طرف نمازیں
پڑھی ہیں اور شعبیؒ کے قول کے مطابق
بیعت رضوان والے اور عطاءؒ اور محمد
بن کعب کے قول کے مطابق اہل بدر۔

اہل سنت کا یہ عقیدہ بخاری شریف کی بعض روایات سے ماخوذ ہے۔ حضرت

---

(۱) شرح صحیح مسلم (نوویؒ) ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۷۲

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابا بکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض کو بعض سے خیر قرار دیتے تھے پس ہم سب سے پہلے ابوبکر کو خیر کہتے تھے پھر عمر کو پھر عثمان کو (رضی اللہ عنہم اجمعین)

ابن عمرؓ ہی کی ایک روایت میں ہے :۔

کنا لا نعدل بابی بکرؓ احدا ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم نترک اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نفاضل بینھم

نہیں برابر سمجھتے تھے ہم کسی کو ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے پھر چھوڑ دیتے تھے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، پس نہیں مفاضلہ کرتے تھے ان کے درمیان ؛

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں ہے :۔

کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ۔

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ ۔

طبرانی نے اس پر حسب ذیل مزید الفاظ روایت کیے ہیں :۔

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فلا ینکرہ ۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ اسکو سنتے اور انکار نہ فرماتے ۔

ابن عمرؓ ہی کی ایک روایت میں ہے :۔

كنا نقول اذا ذهب ابوبكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ استوى الناس فيسمع النبي صلى الله عليه وسلم ذلك فلا ينكره

ہم کہا کرتے تھے کہ جب ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور انکار نہ فرماتے۔

شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ ان تمام روایات کو ذکر کرکے فرماتے ہیں :-

وفي الحديث تقديم عثمانؓ بعد ابي بكرؓ وعمرؓ كما هو المشهور عند جمهور اهل السنة [1]

حدیث سے ابوبکر و عمر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت کے ہاں مشہور ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت پر علامہ ابن عبدالبرؒ نے کچھ اعتراضات کیے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ ان کے جوابات دینے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں۔

وذهب قوم الى ان افضل الصحابة من استشهد في حياة النبي صلى الله عليه وسلم وعين بعضهم منهم جعفرؓ بن ابي طالب ومنهم من ذهب الى العباسؓ وهو قول مرغوب عنه ليس قائله من

کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ صحابہ میں سے افضل وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شہید ہو گئے ہیں اور ان میں سے بعض نے جعفر بن ابی طالب کی تعیین کی ہے۔ اور بعض حضرت عباس کی طرف

(۱) فتح الباری - ج ۷ - ص ۱۳

اهل السنة بل ولا من اهل الایمان ومنهم من قال افضلهم مطلقا عمرؓ تمسکا بالحدیث الآتی فی ترجمة فی المنام الذی فیه فی حق ابو بکر " وفی نزعه ضعف" وهو تمسك [1]	گئے ہیں (لیکن) یہ قول مرغوب عنہ ہے، اسکا قائل اہل سنت بلکہ اہل ایمان ہی سے نہیں۔ اور انہیں سے بعض نے کہا کہ افضل الصحابہ مطلقاً حضرت عمرؓ ہیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے اس خواب والی حدیث سے استدلال کیا ہے جسمیں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ہے کہ ابو بکرؓ کے ڈول کھینچنے میں ضعف تھا لیکن یہ نہایت بودہ استدلال ہے۔

آگے بیہقی کی کتاب " الاعتقاد" کے حوالہ سے ابو ثور کے واسطہ سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حسب ذیل ارشاد نقل کیا ہے۔

عن الشافعی انه قال اجمع الصحابة واتباعهم علی افضلیة ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضوان اللہ علیهم اجمعین	حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا کہ ابو بکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ کی افضلیت پر صحابہؓ و تابعینؒ کا اجماع ہے (رضوان اللہ علیهم اجمعین)

حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سے افضل کون ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ ابو بکرؓ۔ انہوں نے کہا کہ پھر کون تو فرمایا عمرؓ۔ حافظ ابن حجرؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:۔

---

[1] فتح الباری ۔ ج ۷ ۔ ص ۱۳

انعقد الاجماع بآخرة بين اهل السنة ان ترتيبهم فی الفضل کترتیبهم فی الخلافة رضی الله عنهم اجمعین

تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ خلفاء کی ترتیب فضیلت میں خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

اس کے بعد مفہم سے امام قرطبیؒ کے کلام کا خلاصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فالمقطوع به بين اهل السنة بافضلية ابی بکرؓ ثم عمرؓ ثم اختلفو فيمن بعدهما فی الجمهور علی تقديم عثمانؓ وعن مالکؒ التوقف والمسئلة اجتهادية ومستندها ان هولاء الاربعة اختارهم الله تعالٰی لخلافة نبيهٖ اقامة دينه وفيه فمنزلتهم عنده بحسب ترتيبهم فی الخلافة (والله اعلم) [1]

اہلِ سنت کے درمیان قطعی عقیدہ ابوبکرؓ پھر عمرؓ کی افضلیت کا ہے۔ ان دونوں کے بعد افضل میں اختلاف ہے۔ جمہور حضرت عثمانؓ کی تقدیم پر ہیں، اور امام مالک سے توقف منقول ہے۔ بہرحال مسئلہ اجتہادی ہے۔ اسکا مستند یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ان چاروں کو اپنے نبیؐ کی خلافت کے لیے چن لیا تھا۔ پس ان کا مرتبہ خلافت کی ترتیب پر ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ اور چھ آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر کر گئے تھے اس سے چار ارکان کی دستبرداری کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تمام اہلِ مدینہ

---

(۱) فتح الباری - ج ۷ - ص ۲۶

سے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے افضل اور احق بالخلافۃ کے متعلق دریافت کرنے کا مفصل قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ثم نهض عبد الرحمن بن عوف	پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف حضرت
رضی الله عنه یستشیر الناس	عثمان رضی اور حضرت علی رضی کے بارے میں
فیهما و یجمع رأی المسلمین	لوگوں سے مشورہ کیلئے مسلمانوں کی آراء کو ان کے
برأی رؤس الناس و اقیادهم	سرداروں اور قائدین کی رائے کیسا تھ جمع کرنے
جمیعا و اشتاتا مثنی و فرادی	کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے جماعتوں اور منتشر افراد
و مجتمعین سرا و جهرا حتی	سے دو دو، ایک ایک، اور مجتمع لوگوں سے،
خلص الی النساء المخدرات	خفیہ و اعلانیہ، حتیٰ کہ پردہ دار
فی حجابهن و حتی سأل	عورتوں سے ان کے پردہ میں تنہائی میں جا
الولدان فی المکاتب و حتی سأل	کر اور یہاں تک کہ بچوں سے مکاتب میں
من یرد من الرکبان والاعراب	سوال کیا اور سواروں اور اعراب سے جو
الی المدینة فی مدة ثلثة ایام	مدینہ آتے ان سے سوال کرتے، تین دن
بلیالیها فلم یجد اثنین یختلفن	رات اسی طرح کرتے رہے۔ پس دو آدمی
فی تقدم عثمان رض بن عفان، الا ما	بھی ایسے نہیں پائے جو حضرت عثمان رض کی
ینقل من عمار و المقداد انهما	فضیلت میں مختلف ہوں مگر حضرت عمار
اشارا بعلی رض بن ابی طالب ثم	اور مقداد رضی اللہ عنہما سے جو منقول ہے
بایعا مع الناس ـــــ [1]	کہ انہوں نے حضرت علی رض کا مشورہ دیا (لیکن)

پھر انہوں نے بھی لوگوں کے ساتھ حضرت عثمان سے بیعت کر لی۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۔ ج ۷ ۔ ص ۱۴۶

ایک سطر بعد آگے فرماتے ہیں :-

او فلم یجب احد الیعدل بعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۔

پس کوئی آدمی ایسا نہیں پایا جو حضرت عثمانؓ کے برابر ہو۔

بجائے خود امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کوئی کم شہادت نہیں ۔ تاہم امام بخاریؒ نے بھی صحیح میں اس پورے قصہ کو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ اسمیں ہے کہ جب لوگ مقررہ وقت پر جمع ہوگئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا :-

اما بعد یا علیؓ انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علی نفسك سبیلاً [1]

اے علیؓ ! میں نے لوگوں کے معاملہ میں غور کیا ، میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو عثمانؓ کے برابر سمجھتے ہوں ، پس تم اپنے اوپر ملامت کو راہ نہ دینا ۔

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں :-

المبحث الثالث والاربعون فی بیان ان افضل الاولیاء المحمدین بعد الانبیاء و المرسلین ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنھم اجمعین

تینتالیسواں مبحث اس بات میں کہ محمدی اولیاء میں سے انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ ، پھر علیؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں ۔

---

(۱) شرح عقیدہ طحاویہ ۔ ص ۴۲۹ ۔ صحیح بخاری ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۰۷۰

آگے فرماتے ہیں:-

وهذا الترتيب بين هؤلاء الاربعة الخلفاء قطعي عند الشيخ ابي الحسن الاشعري ظني عند القاضي ابي بكر الباقلاني [1]

ان چار خلفاء کے درمیان یہ ترتیب شیخ ابو الحسن اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور قاضی ابو بکر باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند جماعت از اکابر ائمہ کہ یکے از ایشان امام شافعی است قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکرؓ ثم عمرؓ علی بقیۃ الامۃ قطعی وقد تواتر عن علیؓ فی خلافتہ وکرسی مملکتہ وبین الجم الغفیر من شیعتہ ان ابا بکرؓ وعمرؓ افضل الامۃ [2]

حضرات شیخین (سیدنا ابو بکرؓ و سیدنا عمرؓ) کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اسکو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں اور امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیق و فاروق کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ اور یقینی) ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے حد پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خاص اپنے دار الخلافہ میں اور اپنے متبعین کی کثیر جما

---

(۱) الیواقیت والجواہر۔ ص ۲۲۱ (۲) دفتر دوم مکتوب ۱۵ ۔ ص ۲۸

کے سامنے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بہترین
امت ہیں۔

ایک طویل مکتوب" جسمیں تمام ضروری عقائد تحریر فرمادیئے ہیں" میں خلافت راشدہ
اور خلفاء راشدین کے متعلق فرماتے ہیں :۔

امام برحق و خلیفۂ مطلق بعد از
حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات
والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں
حضرت عمر فاروق است رضی اللہ عنہ
بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین
است رضی اللہ عنہ بعد ازاں حضرت
علی ابن ابی طالب است رضوان اللہ
تعالیٰ علیہ و افضلیت ایشاں بترتیب
خلافت است افضلیت حضرات
شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت
شدہ است حضرت امیر کرم اللہ وجہہ
میفرمائد کسیکہ مرا بر ابی بکرؓ و عمرؓ
فضل بدہد مفتری است و او را تازیانہ
زنم چنانکہ مفتری را بزنند [1]

حضرت خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوات
والتسلیمات کے بعد خلیفہ مطلق امام برحق
حضرت ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ انکے
بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد
حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی ابن
ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کی
فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے یعنی
سب سے بڑا درجہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے،
ان کے بعد فاروق اعظمؓ کا، ان کے بعد حضرت
عثمان غنیؓ کا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کا
(رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور شیخین کی
افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع اور
اتفاق سے ثابت ہے۔ حضرت امیر کرم اللہ
وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت ابوبکرؓ
حضرت عمرؓ پر فضیلت دیگا وہ مفتری ہے

(۱) دفتر دوم۔ مکتوب ۶۷۔ ص ۱۳۰

کمن لم یخض فیھا — ان کو میں ان کے برابر نہیں سمجھتا جو کہ محفوظ رہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ارشاد سے پیدا ہونیوالے ایک شبہ کا جواب دیا ہے۔ اس شبہ اور اس کے جواب کا حاصل یہ ہے :۔

"حضرت امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سنت و جماعت کی علامات میں شیخینؓ کی افضلیت کا اعتقاد اور ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) سے محبت رکھنا بھی ہے۔"

فرماتے ہیں کہ "بادی النظر میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مراتب میں شاید کوئی فرق نہیں۔" اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"جن لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے انہوں نے حضرت امام کے اس ارشاد کی روح اور محل کو نہیں سمجھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اختلافات اور فتنے سوء اتفاق سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کو ان بزرگوں کی طرف سے بدظنی اور کدورت پیدا ہو سکتی ہے۔ حضرت امام نے اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کی محبت و مودت کو شعائر اہلسنت میں سے قرار دیا ہے اور اس جگہ ان ہر دو بزرگوں کے باہمی فرق مراتب سے نفیاً یا اثباتاً کوئی بحث یا اس کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔"

آخر میں حضرت مجددؒ صاحب فرماتے ہیں :۔

کیف وکتب الحنفیۃ مشحونۃ بان افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم

له

یعنی اور بھلا حضرت امام اعظم کے متعلق توقف یا عدم تفاضل مابین حضرت عثمانؓ و علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ ان کی افضلیت علیٰ ترتیب خلافت ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دون اوست اما احوط آں است کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم

الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ افضلیت عثمان کے منکر بلکہ حضرات شیخین کی افضلیت کے منکر کو کافر نہ کہا جائے ہاں ہم اسکو صاحب بدعت اور گمراہ جانیں گے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

و آنکہ ھمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضولی انگارد بوالفضول است، عجیب بو الفضول کہ اجماع اہل حق را فضولی داند

اور جو شخص کہ سب کو برابر جانے اور ان کے باہمی تفاضل اور فرق مراتب کو فضول سمجھے وہ خود احمق اور بوالفضول ہے اور عجیب احمق کہ تمام اہل حق کے اجماعی مسئلہ کو فضول کہتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اما افضلیۃ الخلفاء علی ترتیب الخلافۃ فقد اشتہر عن ابن عمر بروایات فیما الحد والثقۃ	خلفاء راشدین کی فضیلت بترتیب خلافت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایات صحیحہ و معتبرہ حد شہرت کو پہنچ گئی ہے۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض، بعض سے افضل ہیں اور خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین) بترتیب خلافت تمام امت سے افضل ہیں جس کا معنی یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مع صحابہ رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان تفاضل سے توقف کرنے والا یا حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینے والا بقول حافظ ابن حجرؒ اور مجدد صاحبؒ، بوالفضول اور اہلسنت سے خارج ہے۔

فقہائے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

یوں تو سارے صحابہؓ ہی فقہاء (دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے) اور ائمہ مقتدیٰ ہیں۔
ان کے اقوال، افعال، فتاویٰ اس لائق ہیں کہ ان کی حفاظت اور روایت کی جائے۔
دین کے سلسلہ میں جو کچھ ان سے منقول ہے وہ سب فقہ اور دین ہے، لیکن یہاں فقیہ
سے خاص اصطلاح مراد ہے، جو مجتہد کے ہم معنی ہے۔ اس اعتبار سے معدودے چند
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فقیہ ہیں۔ چنانچہ علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ
نے علم الدین فلانی کی "ایقاظ الہمم" کے حوالہ سے علامہ سندی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل
کیا ہے جو ذیل میں درج ہے:-

تقرر ان الصحابة ما كانوا كلهم مجتهدين على اصطلاح العلماء، فان فيها القروى والبدوى، ومن سمع منه صلى الله عليه وسلم حديثا واحدا وصحبه مرة[1]

یہ بات طے شدہ ہے کہ سارے صحابہ کرامؓ علماء کی اصطلاح کے مطابق مجتہد نہیں تھے کیونکہ بعض ان میں سے دیہاتی اور بدوی تھے اور بعض وہ جنہوں نے آپ سے صرف ایک ہی حدیث سنی یا ایک مرتبہ ہی آپ سے ملاقات کی۔

---

(۱) قواعد التحدیث - ص ۳۴۲

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء صحابہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے حسب ذیل عنوان کے تحت چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی ذکر کیے ہیں۔

فرماتے ہیں :۔

ذکر من کان یفتی بالمدینۃ ویقتدی بہ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعد ذلک والی من انتھی علمھم [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ان حضرات کا ذکر جو آپ کے زمانہ میں اور اس کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کی اقتدا کی جاتی تھی اور جن کی طرف ان کا سب کا علم منتہی ہوا۔

اس کے بعد حسب ذیل حضرات کے اسماء گرامی ذکر کیے ہیں :۔

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۳) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۴) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ (۵) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۷) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، (۸) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۹) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۰) عثمان رضی اللہ عنہ (۱۱) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۱۲) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۱۳) حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱۴) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۱۵) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (۱۶) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی عنوان کے تحت یہی اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں

---

(۱) طبقات ابن سعد - ج ۲ - ص ۳۳۴

غالباً انہوں نے اس میں " ابن سعدؒ " ہی کی اقتدا کی ہے [1]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰ سے زائد فقہاء و صحابہ کرامؓ اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض مکثرین ہیں اور بعض مقل اور بعض متوسط مکثرین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وکان المکثرون منھم سبعۃ عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود، وعائشۃ ام المؤمنین وزید بن ثابت، وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) [2]

اور ان (صحابہ کرامؓ) میں سے بکثرت جن کے فتاویٰ منقول ہیں۔ وہ سات ہیں۔ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عائشہ ام المؤمنینؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

ویمکن ان یجمع من فتویٰ کل واحد منھم سفر ضخم [3]

یعنی ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک بڑا دفتر جمع کیا جا سکتا ہے۔

آگے متوسطین صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

قال ابو محمد، والمتوسطون منھم فیما روی عنھم من الفتیا ابو بکر الصدیق وام سلمہ

امام ابو محمدؒ بن حزم فرماتے ہیں، اور ان (صحابہ کرامؓ) میں سے وہ حضرات جو منقول فتاویٰ کے اعتبار سے متوسط

---

(۱) تلقیح فہوم اہل الاثر۔ ص ۲۲۵ (۲) اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۵
(۳) ایضاً۔ قواعد التحدیث۔ ص ۲۷

وانس بن مالك وابو سعيد	ہیں۔ ابو بکر صدیق، ام سلمہ، انس بن
الخدری و ابو هریرة وعثمان	مالک، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ،
بن عفان وعبد الله بن عمرو	عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو بن
بن العاص وعبد الله بن الزبیر	عاص، عبداللہ بن زبیر، ابو موسیٰ اشعری،
وابو موسیٰ الاشعری وسعد	سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی،
بن ابی وقاص وسلمان الفارسی	جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل (رضی
وجابر بن عبد الله ومعاذ بن	اللہ علیہم اجمعین) ہیں۔ پس یہ تیرہ
جبل وهولاء ثلاثة عشر یمکن	حضرات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے
ان یجمع من فتیا کل واحد	فتاویٰ سے ایک نہایت چھوٹا جزء جمع
منهم جزء صغیر جدا (۱)	کیا جا سکتا ہے۔

آگے چند صحابہ کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان حضرات کو بھی متوسطین میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (۵) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ (۶) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۷) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

آگے کئی صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں۔ علامہ جمال الدین قاسمی کی تصریح کے مطابق ان کی تعداد ایک سو بیس کے قریب ہے۔ ان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

---

(۱) اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۵۔

والباقون منهم يقلون في الفتيا لا يروى عن الواحد منهم الا المسئلة والمسئلتان والزيادة اليسيرة على ذلك يمكن ان يجمع من فتيا جميعهم جزء صغير فقط بعد التقصي والبحث [1]

اور باقی ان میں سے فتویٰ میں کم ہیں، ان میں سے ہر ایک سے ایک، دو یا کچھ زائد مسائل منقول ہیں، چھان بین کے بعد مشکل ان کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا جزء جمع کیا جا سکتا ہے۔

اوپر جن صحابہؓ کرام کا ذکر مکثرین میں کیا گیا ہے کہ، علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزمؒ سے ان کے متعلق "اکثرہم فتوی مطلقا" کے الفاظ نقل کیے ہیں [2]

تنقیح بحث

امام ابن سعد رحمہ اللہ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے جن فقہاء صحابہؓ کرام کا ذکر کیا ہے۔ غالباً وہ انہی صحابہ کرام کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں صاحب فتویٰ شمار ہوتے تھے اور دوسرے صحابہؓ آنحضرت کے حکم سے یا از خود درپیش مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے جیسا کہ ان کے ترجمہ اور عنوان ہی سے واضح ہوتا ہے اسی لیے ان میں بعض صغار صحابہؓ کرام کا (جو بعد میں کثیر الفتاویٰ مشہور ہوتے) ذکر نہیں ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور اسی لیے ان میں کثیر الفتاویٰ اور قلیل الفتاویٰ کا فرق

(۱) اعلام الموقعین - ج ۱ - ص ۵ (۲) قواعد التحدیث - ص ۲۷

ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ البتہ امام ابن قیم اور علامہ جمال الدین قاسمی رحمہما اللہ نے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہاء صحابہؓ کرام کی جو تقسیم نقل کی ہے وہ بہت دلنشیں ہے لیکن حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول " والذین حفظت عنھم الفتویٰ " اور حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے قول " والمتوسطون منھم فیما روی عنھم من الفتیا " سے معلوم ہوتا ہے کہ مکثر، مقل اور متوسط کی یہ تقسیم ان فتاویٰ کے اعتبار سے ہے جو نقل ہو کر بعد میں آنے والوں تک پہنچے، اسی اعتبار سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں

لیس احدٌ من اصحاب النبی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ
صلی اللہ علیہ وسلم یروی	میں سے کسی سے ابن عباسؓ سے زیادہ
عنہ فی الفتوی اکثر من	فتاویٰ منقول نہیں ہیں۔
ابن عباسؓ [1]	

لیکن فی الواقع جو صحابہؓ کرام تمام صحابہؓ سے اعلم اور افقہ ہیں امام مسروق تابعیؒ کی روایت کے مطابق وہ چھ ہیں۔ پھر ان میں سے بھی بالخصوص دو حضرات۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وجدت علم اصحاب النبی	میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم انتہی	وسلم کے صحابہؓ کا علم چھ حضرات پر جا کر
الی ستۃ۔ عمر و علی و ابی و	منتہی ہوتا تھا۔ عمر، علی، ابی بن کعب
زید و ابی الدرداء و عبداللہ	زید بن ثابت، ابوالدرداء، عبداللہ

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۹۴ طبع جدید

بن مسعود، ثم انتھی علم ھولاء الستۃ الی ثنتین علی وعبداللہ (رضی اللہ عنھم اجمعین) [1]

بن مسعود۔ پھر ان چھ کا علم دو حضرات کی طرف منتہی ہوتا تھا۔ علیؓ اور عبداللہؓ بن مسعود

اور امام مسروق ہی سے دوسری روایت میں حضرت ابو الدرداء کی بجائے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ [2]

اور حضرت مسورؓ بن مخرمہ کی روایت میں، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ [3]

تینوں روایتوں کو جمع کرنے سے نو صحابہؓ کرام اعلم ہوئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف ان کے علم کے منتہی ہونے کے معنی بقول علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہیں کہ ان دو حضرات کا علم اپنی وسعت کی بنا پر باقی تمام صحابہؓ کے علم کو شامل تھا۔ [4]

ان نو حضرات کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کر لیا جائے بلکہ سرفہرست رکھا جائے، کیونکہ خلیفہ کے لیے مجتہد ہونا شرط ہے اگرچہ کوئی زیادہ مقدار میں ان کے فتاویٰ ہم تک نہیں پہنچے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی فقہا اور مجتہدین کی صف اول میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ اولاً

---

(۱) طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۳۵۱، اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۶، مقدمہ ابن صلاح ص ۲۶۷ طبع جدید (۲) مقدمہ ابن صلاح۔ ص ۲۶۷ طبع جدید، طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۱[illegible]

(۳) طبقات ابن سعد۔ ج ۲۔ ص ۳۵۱ (۴) فتح المغیث۔ ج ۴۔ ص

تو یہ دونوں حضرات کثیر الفتاوی صحابہ رضی کرام میں شمار ہوتے ہیں ثانیاً اس لیے کہ وہ چار صحابہ کرام جن کے شاگردوں کے ذریعہ امت کو دین، فقہ اور علم پہنچا ان میں یہ دونوں حضرات بھی ہیں چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

والدین والفقه والعلم انتشر فی الامة عن اصحاب ابن مسعود رض و اصحاب زید بن ثابت و اصحاب عبد اللہ رض بن عمر و اصحاب عبد اللہ رض بن عباس [1]	امت میں دین، فقہ اور علم، عبد اللہ بن مسعود رض اور زید رض بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر رض اور عبد اللہ بن عباس رض کے شاگردوں کے ذریعے پھیلا اور عام ہوا۔

ان ہی اعلم اور افقہ صحابہ رض کرام میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

واما عائشة فكانت مقدمة فی العلم والفرائض والاحكام والحلال والحرام - [2]	لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم، فرائض، احکام اور حلال و حرام کے مسائل میں پیش پیش ہیں۔

لیکن حضرت عمر رض، وہ تو علی الاطلاق تمام صحابہ رض سے اعلم و افقہ ہیں۔ کیونکہ متعدد بار وحی الہی نے ان کی رائے سے موافقت کی جس سے ان کا افقہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ والا خواب جسمیں حضرت عمر رض نے سب سے زیادہ دودھ پیا۔ یہاں تک کہ باچھوں اور ناک سے بہنے لگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر علم سے فرمائی۔ یہ باتیں حدیث کے طالب علموں سے مخفی نہیں

---

(۱) اعلام الموقعین - ج ۱ - ص ۹ (۲) ایضاً

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ سب صحابہؓ سے اعلم وافقہ ہیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کے متعلق دین کے کے بعض مخصوص شعبوں کے اعتبار سے اعلم کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ مثلاً حضرت حذیفہؓ کے متعلق ہے اعلمہم بالمنافقین اور حضرت عثمانؓ کے متعلق ہے اعلمہم بالمناسک۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق ہے اعلمہم بالفرائض۔ اور معاذ بن جبل کے متعلق ہے اعلمہم بالحلال والحرام۔

عدالتِ صحابۂ کرام

الصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ

عدالتِ صحابہؓ کا مسئلہ عدالت راوی اور عدالت شاہد (گواہ) کی فرع ہے، کیونکہ صحابہ کرام دینِ حق کے راوی بھی ہیں اور شاہد بھی، اسلیے راوی اور شاہد کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عادل ہونا بھی ضروری ہے اور امّت کو اسکا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے۔

عدالت کے معنی میں علمائے اقوال

یہ اصطلاح فقہا اور محدثین میں یکساں طور پر استعمال ہوتی ہے۔ فقہا شہادات کے باب میں اور محدثین مقبول الروایۃ اور مردود الروایۃ کی بحث میں اسکے متعلق بحث کرتے ہیں اور راوی اور شاہد کے لیے اسکو شرط قرار دیتے ہیں اور اصل اسمیں حق تعالیٰ کا ارشاد "واشھدوا ذوی عدل منکم" اور "ممن ترضون من الشھداء" ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ شاہد کو عادل اور پسندیدہ ہونا ضروری ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جسکا مفہوم تقریباً یہ ہے کہ "علم اسی سے حاصل کرو جس کی

شہادت قبول کی جا سکتی ہے"۔ اس کے علاوہ فاسق کی خبر میں تبیین اور توقف کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے محدثین راوی حدیث کے لیے اور فقہاء شاہد (گواہ) کے لیے عدالت کی شرط لگاتے ہیں۔ لہٰذا عادل کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو فقہاء اور محدثین مراد لیتے ہیں اور اس معنی کے خلاف کوئی معنی مراد لینا " توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ" کے قبیل سے ہوگا۔ ذیل میں عدالت کے متعلق علماء کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں :۔

(۱) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

العدل فی الشهادة الذی	شہادت میں عادل وہ ہے جس سے
لم تظهر منه ریبة	قلق کی کوئی بات ظاہر نہ ہو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ "عدل" سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

من کان فیه خمس خصال	"عادل" وہ ہے جس میں پانچ خصلتیں ہوں
یشهد الجماعة ولا یشرب	نماز با جماعت ادا کرے شراب نہ پیتا
هذا الشراب ولا تکون فی	ہو، اس کے دین میں کوئی خرابی نہ ہو،
دینه خربة ولا یکذب ولا	جھوٹ نہ بولے اور اسکی عقل میں فتور نہ
یکون فی عقله شیء۔	ہو۔

(۳) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

لیس من شریف ولا عالم	کوئی شریف کوئی عالم، کوئی ذی سلطان
ولا ذی سلطان الا وفیه عیب	ایسا نہیں جس میں عیب نہ ہو، لیکن

لا بد ولكن من الناس من لا تذكر عيوبه من كان فضله أكثر من نقصه ذهب نقصه لفضله

کچھ لوگوں کے عیوب بیان نہیں کیے جاتے بس جس کی خوبیاں نقائص سے زیادہ ہوں اسکے نقائص خوبیوں کی وجہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔

(۴) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

لا اعلم احدا اعطی طاعة الله حتی لم یخلطها بمعصیة الله الا یحیی بن زکریا علیه السلام ولا عصی الله فلم یخلط بطاعة فاذا کان الاغلب الطاعة فهو المعدل واذا کان الاغلب المعصیة فهو المجرح ۔

میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کو اللہ کی اطاعت کی توفیق ملی ہو پھر اس نے اسمیں معصیت کی ملاوٹ نہ کردی ہو مگر یحییٰ علیہ السلام، اور ایسا بھی نہیں کہ اللہ کی نافرمانی ہی کرتا رہے اور اس میں اطاعت کی آمیزش نہ کرے، پس جب اطاعت غالب ہو گی عادل اور جب معصیت غالب ہو گی مجروح ہوگا۔

(۵) قاضی ابوبکر محمد بن الطیب رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت کے موضوع پر طویل تقریر کی ہے۔ ذیل میں اس کے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :-

والعدالة المطلوبة فی صفة الشاهد والمخبر هی العدالة الراجعة الی استقامة دینه وسلامة مذهبه وسلامته

وہ عدالت جو شاہد اور مخبر کی صفات میں مطلوب ہے وہ ہے جو استقامت دین سلامتی مذہب اور فسق اور اس کے قائم مقام یعنی دل ....

من الفسق وما يجرى مجراه مما اتفق على انه مبطل العدالة من افعال الجوارح والقلوب المنهى عنها

اور جوارح کے متفق علیہ مبطل عدالت منہی عنہ افعال سے سلامتی کی طرف راجح ہو۔

آگے فرماتے ہیں :۔

والواجب ان يقال جميع صفات العدالة انها اتباع اوامر الله تعالىٰ والانتهاء عن ارتكاب ما نهى عنه مما يسقط العدالة

اور واجب یہ ہے کہ تمام صفات عدالت میں یہ کہا جائے کہ یہ اتباع اوامر اور مسقط عدالت منہی عنہ امور سے رکنے کا نام ہے۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :۔

وليس يكفيه فى ذلك اجتناب كبائر الذنوب التى يسمى فاعلها فاسقا حتى يكون مع ذلك متوقيا لما يقول كثير من الناس انه لا يعلم انه كبير بل يجوز ان يكون صغيرا نحو الكذب الذى لا يقطع على انه كبير ونحو التطفيف بحبة وسرقة باذنجانة وغش المسلمين بما لا يقطع عندهم

عدالت کے باب میں آدمی کیلئے بس یہی کافی نہیں کہ وہ کبائر سے مجتنب رہے جن کے کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے بلکہ اسکے ساتھ ان باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کبیرہ ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صغیرہ ہی ہوں جیسے وہ جھوٹ جس کے کبیرہ ہونے کا یقین نہیں اور جیسے ماپ تول میں قصداً ایک حبہ کی کمی کرنا اور باذنجان کا سرقہ اور مسلمانوں کو

على انه كبيرة من الذنوب لاجل
ان القاذورات وان لم يقطع
على انها كبائر يستحق بها العقاب
فقد اتفق على ان فاعلها غير مقبول
الخبر والشهادة (1)

ایسا دھوکہ دینا جس کے متعلق یقین سے
نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ
بُرے کام اگرچہ انکے اس قسم کے کبیرہ ہونے کا یقین
نہ بھی ہو جو موجب عتاب ہوں تو بھی علماء کا اتفاق
ہے کہ ان کا فاعل غیر مقبول الخبر والشہادۃ ہوگا

(٦) امام حاکم نیساپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

واصل عدالة المحدث ان
يكون مسلماً لا يدعو الى بدعة
ولا يعلن من انواع المعاصي ما
تسقط به عدالته

محدث کے عادل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ
وہ مسلمان ہو، بدعت کی طرف دعوت نہ
دیتا ہو اور علانیہ ایسے گناہ نہ کرتا ہو جن سے
عدالت ساقط ہو جاتی ہے ۔

(٧) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

العدالة في الرواية والشهادة
عبارة عن استقامة السيرة
في الدين ويرجع حاصلها الى
هيئة راسخة في النفس تحمل
على ملازمة التقوى والمروّة
جميعا ..... ولا يكفي ايضاً اجتناب
الكبائر بل من الصغائر ما يرد به

روایت اور شہادت میں عدالت،
دین میں استقامت سیرت سے عبارت ہے
اور اسکا اصل مرجع وہ کیفیت راسخہ
فی النفس ہے جو تقویٰ اور شرافت دونوں
کی پابندی پر برانگیختہ کرے ..... اور
صرف کبائر سے بچنا بھی کافی نہیں بلکہ بعض
صغائر سے بھی روایت و شہادت ردکر

(1) کفایہ ۔ ص ٨٠، ٨١

كسرقة بصلة وتطفيف حبة قصدا ...... كيف وقد شرط فی العدالة التوقی من بعض المباحات القادحة فی المروءة نحو الاكل فی الطريق والبول فی الشارع وصحبة الارذال والافراط المزاح ۔ [1]

دی جاتی ہے جیسے پیاز کی چوری اور ماپ تول میں قصداً حبہ کی کمی بیشی ...... صرف کبائر سے اجتناب کیسے کافی ہو سکتا ہے جبکہ بعض مباحات سے بچنا بھی جو مروت میں قادح ہوں، عدالت میں شرط ہے۔ جیسے راستے میں کھانا اور شاہراہ میں پیشاب کرنا، اور رذیل قسم کے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا اور مزاح میں حد سے گزر جانا۔

(۸) محقق ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

ادناها (ای العدالة) ترك الكبائر والاصرار علی صغيرة و ترك ما يخل بالمروءة ۔

عدالت کا ادنیٰ درجہ کبائر کا ترک اور صغیرہ پر عدم اصرار اور مخل مروت امور کا ترک ہے۔

عدالت کے باب میں ائمہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ہی کا دوسرا نام عدالت ہے بلکہ بعض اقوال سے تو یہ معلوم ہوا کہ بلند ترین مراتب تقویٰ کا نام عدالت ہے جس کے مفہوم میں اجتناب کبائر کے ساتھ صغائر بلکہ بعض مخل مروت مباح باتوں سے اجتناب بھی داخل ہے اور بعض اقوال سے محقق ابن الہمام رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ معلوم ہوا کہ عدالت کا ادنیٰ درجہ کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار اور مخل مروت امور کا ترک ہے۔ روایت اور شہادت میں باتفاق محدثین

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم ۔ ص ۱۴۱

یہی عدالت شرط ہے ۔ ذیل میں ہم عدالت فی الروایۃ کے معنی پر اصول حدیث کی کتابوں سے مزید روشنی ڈالنا چاہتے ہیں ۔

علمائے اصول کی اصطلاح

اصول حدیث کے مشہور عالم حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ راوی مقبول کی شرطیں بیان کرتے ہوئے ایک شرط، کہ "راوی کو عادل ہونا چاہیے" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتفصیلہ ان یکون مسلماً بالغاً، عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق وخوارم المروّۃ[1]	"عدل کی تفصیل یہ ہے کہ راوی مسلمان، بالغ، عاقل ہو، اسباب فسق اور خلاف مروّت امور سے محفوظ ہو۔

علامہ عراقی، امام نووی، شیخ الاسلام ابن حجر وغیرہم رحمہم اللہ نے حافظ ابن صلاح کی اس تفسیر کے ساتھ اتفاق کیا ہے ۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ "عادل" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والمراد بالعدل من لہ ملکۃ تحملہ علی ملازمۃ التقویٰ والمروّۃ والمراد بالتقویٰ اجتناب الاعمال السیئۃ من شرک او فسق او بدعۃ[2]	"عادل" سے مراد وہ آدمی جسے ایسی کیفیت راسخہ فی النفس حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور شرافت کی پابندی پر برانگیختہ کرے اور تقویٰ سے مراد اعمال سیئہ شرک، فسق، بدعت وغیرہ سے اجتناب

شاہ ولی اللہ خیفہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

(۱) مقدمہ ابن صلاح ۔ص ۵۰ طبع جدید، فتح المغیث عراقی ۔ج ۲ ص ، تقریب مع تدریب ص
(۲) شرح نخبہ ۔ص ۲۶

از اں جملہ آں است کہ عدل باشد یعنی مجتنب از کبائر غیر مصر بر صغائر و صاحب مروت باشد نہ ھرزہ گرد خلیع العذار	منجملہ شروط (استحقاق) خلافت کے ایک شرط یہ ہے کہ خلیفہ "عدل" ہو یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنیوالا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنے والا ہو اور صاحب مروت ہو یعنی ہرزہ گرد اور وارستہ مزاج نہ ہو ؎

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "لمعات" کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں

والعدالۃ ملکۃ فی الشخص تحملہ علی ملازمۃ التقویٰ والمروۃ	عدالت آدمی کے اندر وہ کیفیت راسخہ جو اسے تقویٰ و شرافت کی پابندی پر برانگیختہ کرے۔

آگے "تقویٰ" اور "مروت" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والمراد بالتقویٰ اجتناب الاعمال السیئۃ من الشرک والفسق والبدعۃ وفی الاجتناب عن الصغیرۃ خلاف والمختار عدم اشتراط لخروجہ عن الطاقۃ الا الاصرار علیہا لکونہ کبیرۃ والمراد بالمروۃ التنزہ عن بعض الخسائس	تقویٰ سے مراد اعمال سیئہ شرک، فسق بدعت وغیرہ سے اجتناب ہے اور صغیرہ سے اجتناب میں اختلاف ہے' اور مختار عدم اشتراط ہے اسکے طاقت بشریہ سے خارج ہونے کی وجہ سے مگر ان پر اصرار (سے اجتناب شرط ہے) کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور مروت سے مراد بعض ایسے خسائس و نقائص سے تنزہ جو ...

---

(۳) ازالۃ الخفاء ۔ ج ۱ ۔ ص ۲۰

والنقائص التی ھی خلاف مقتضی الھمۃ والمروۃ مثل بعض المباحات الدنیۃ کالاکل والشرب فی السوق والبول فی الطریق وامثال ذلک	ہمت و شرافت کے خلاف ہیں جیسے بعض گھٹیا قسم کی مباحات مثلاً بازاروں میں کھانا پینا اور راستے میں پیشاب کرنا وغیرہ۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ راوی یا شاہد کے عادل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ فاسق نہ ہو، کبائر کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے اجتناب اور خلاف مروت باتوں سے پرہیز لازم کرنے والا ہو۔ عادل ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ روایت حدیث میں قصداً جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اصول حدیث کی کتب میں روایت حدیث میں جھوٹ کے علاوہ چار اسباب اور بھی ذکر کیے جاتے ہیں جو عدالت میں جرح کا موجب ہیں اور ان کا موصوف ساقط العدالت قرار پاتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "نخبہ" میں اور ان کی اتباع میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ "اللمعات" میں حسب ذیل اسباب جو عدالت میں جرح کا موجب ہیں بیان فرمائے ہیں:۔

(۱) کذب راوی یعنی روایت حدیث میں راوی کا جھوٹ بولنا۔

(۲) اتہام بالکذب یعنی عام گفتگو میں یا روایت حدیث میں راوی کا متہم بالکذب ہونا۔

(۳) فسق یعنی راوی کا کبائر کا مرتکب یا صغائر پر مصر ہونا۔

(۴) جہالت یعنی راوی کا مجہول العین یا مجہول الحال ہونا۔

(۵) بدعت یعنی راوی کا عمل یا عقیدے کے اعتبار سے بدعتی ہونا۔ [1]
لہذا عادل ہونے کیلئے ان تمام اسباب جرح سے محفوظ ہونا ضروری ہے خطیب
بغدادی رحمۃ اللہ علیہ چند کبائر کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

کل من ثبت علیہ فعل شئی	جس شخص پہ ذکر کردہ ان کبائر یا ان
من ھذہ الکبائر المذکورۃ او	جیسے گناہوں مثلاً شراب نوشی یا لواطت
ما کان بسبیلھا کشرب الخمر	ثابت ہو جائے۔ اسکی عدالت ساقط
واللواطۃ ونحوھما فعدالتہ	ہو جاتی ہے اور اسکی خبر مردود ہے حتیٰ کہ
ساقطۃ وخبرہ مردود حتی	توبہ کرے اور ایسے ہی جب اس پر
یتوب وکذلک اذا ثبت علیہ	ایسے گناہوں پہ اصرار ثابت ہو جائے جن
ملازمۃ لفعل المعاصی التی	کے کبیرہ ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔
لا یقطع علی انھا من الکبائر	اسی طرح دین کے معاملہ میں سفاہت اور
وادامۃ السخف والخلاعۃ	بے پرواہی کا اظہار، اور بے لگام ہو جائے۔
والمجون فی امر الدین [2]	

تتمیم فائدہ کے لیے ان کبائر کا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں :-
(۱) شرک باللہ (۲) سحر (۳) قتل نفس (۴) اکل ربوا یعنی سود خوری (۵) اکل
مال یتیم (۶) تولی یوم الزحف (میدان جنگ سے بھاگنا) (۷) قذف محصنہ (پاکدامن
مرد یا عورت کو تہمت لگانا) (۸) زنا کرنا خصوصاً ہمسایہ کی بیوی سے (۹) تعرب

---

(۱) شرح نخبہ - ص ۵۸ ، مقدمہ اللمعات - ص ۷۶ (۲) کفایہ - ص ۱۰۵

بعد الہجرة (ہجرت کے بعد بدوبیت اختیار کرنا) (۱۰) عقوق (نافرمانی) والدین (۱۱) والد پر سب وشتم کا سبب بننا (۱۲) شہادت زور (جھوٹی گواہی)

معلوم ہوا کہ عادل ہونے کیلئے ان تمام کبائر سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کیا تو عدالت ساقط ہو جائے گی۔

آخر میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں، امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فلاخلاف فی ان کل من جمع عدالة ومعصية فاطائع فی قصته وصلی وصام وزکی و فسق فی اخریٰ فزنی او شرب الخمر او اتی بکبیرة او جاهر بصغیرة فانه فاسق عند جمیع الامة بلاخلاف ولا یقع علیه اسم العدل ؎	اسمیں اختلاف نہیں کہ جس نے عدالت اور معصیت دونوں کو جمع کرلیا پس ایک موقع پر اطاعت کی اور نماز، روزہ بجالایا اور زکوٰۃ ادا کی اور دوسرے موقع پر فسق کا ارتکاب کیا پس زنا کرلیا یا شراب پی لی یا کوئی اور کبیرہ گناہ کرلیا یا علانیہ صغیرہ کا ارتکاب کیا پس ایسا شخص بلااختلاف پوری امت کے نزدیک فاسق ہے اور اسکو عادل نہیں کیا جاسکتا۔

آگے فرماتے ہیں:۔

ولو لم یفسق الامن تمحض الشر ولا یعمل شیا من الخیر	اگر صرف ایسے ہی شخص کو فاسق قرار دیا جائے جو صرف شر ہی کا مرتکب ہے اور اس نے

(۱) احکام الاحکام

لما فسق مسلم ابد الان توحید خیر وفضل واحسان وبر

کوئی بھلائی نہیں کی تو کسی مسلمان کو بھی فاسق قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسکی توحید بھی خیر، فضل، احسان اور بر ہے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ عدالت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے۔ فاسق صرف وہی نہیں جو سرتاپا فاسق ہو اور کبھی اس نے خیر کا کوئی کام نہ کیا ہو بلکہ کسی ایک موقع پر بھی موجبِ فسق امر کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اسکی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے عادل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے اجتناب کرے اور صغائر پر اصرار نہ کرے، بلکہ توبہ و استغفار کرے۔ ایسے ہی تمام ان امور سے پرہیز کرے جو خلاف مروت ہیں۔ راوی حدیث اور شاہد (گواہ) کے عادل ہونے کے یہی معنی ہیں اور یہی معنی تمام صحابہ کرام کے عادل ہونے کے ہیں۔

اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب عادل (راست باز اور پاکباز) تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فاسق نہیں تھا۔ تمام آیات جن میں صحابہ رضی کرام سے رضامندی اور ان کی مغفرت کا اعلان کیا گیا ہے، "عدالت صحابہ" کے بین دلائل ہیں۔ خصوصاً "سورۃ توبہ" اور "سورۃ بیّنہ" کی مندرجہ ذیل دو آیتیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم ؎۱

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں ان کیواسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں۔ رہا کریں انہیں میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت کریمہ میں بلا استثناء تمام صحابہ سے رضامندی اور ان کے جنتی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ مہاجرین و انصار میں سے جو لوگ بیعت رضوان تک مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کو " السابقون الاولون" سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جو بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے ان کو " اتبعوھم باحسان " کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے اور " باحسان" کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے یعنی ان لوگوں نے تہ دل سے سابقین اولین کی پیروی کی ہے پس ان سب سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا اور ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے:۔

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحت اولائک ھم خیر البریۃ جزاؤھم عند ربھم جنت عدن تجری من تحتھا الانھار

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے یہی لوگ بہترین مخلوقات ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے بہشت ہیں۔ انکے نیچے نہریں بہتی ہونگی

---

(۱) سورۃ توبہ ع ۱۳ پ ۱۱ / ۲

خلدین فیھا ابدا رضی اللہ	وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے - اللہ
عنھم و رضوا عنہ ذلك	ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی
لمن خشی ربہ -	ہوئے، یہ اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

اس آیت کریمہ میں " ان الذین اٰمنوا " کے الفاظ اگرچہ عام ہیں، لیکن اس کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں۔ وہی " خیر البریۃ " کا اصل مصداق ہیں اور " رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ " کی بشارت پوری طرح ان کے حق میں ہی صادق آتی ہے۔ الغرض ان دونوں آیتوں میں بلا تخصیص اور بلا استثناء تمام صحابہ کرام سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا ہے -

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

والرضی من اللہ صفۃ قدیمۃ	رضا اللہ کی صفت قدیمہ ہے پس اللہ
فلا یرضی الا من یعلم انہ	تعالیٰ اسی آدمی کے متعلق رضامندی
یوافیہ علی موجبات الرضی و	کا اظہار کرے گا جس کے متعلق اسے معلوم ہے
من رضی عنہ لم یسخط علیہ	کہ موجبات رضا پر پورا اترے گا اور
ابدا [1]	جس سے ایک دفعہ وہ راضی ہو گیا کبھی اس پر
	ناراض نہ ہو گا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ اللہ کی جانب سے ان حضرات سے رضامندی کی خبر ہے اور اخبار الٰہیہ میں کذب اور تخلف کا احتمال نہیں۔ لہٰذا یقیناً اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک ایک سے راضی ہو چکا ہے اور رضا ہی کا دوسرا نام تعدیل ہے - چنانچہ

---

(۱) الصارم المسلول - ص ۵۷۷

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ " ممن ترضون من الشھداء " کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی من العدول المرتضیٰ دینھم وصلاحھم [1]	یعنی ایسے عادل (گواہ) جن کا دین اور صلاحیت پسندیدہ ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ "ممن ترضون من الشھداء" ومرضی بودن مفسر بعدالت است [2]	یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گواہوں کا مرضی (پسندیدہ) ہونا بتایا ہے اور مرضی (پسندیدہ) ہونیکی تفسیر عدالت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

نیز آیات تزکیہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب "تزکیہ نفوس" (دلوں کی صفائی) بتایا گیا ہے۔ "عدالت صحابہ" کے واضح دلائل ہیں۔ چنانچہ ان میں سے "سورۃ آل عمران" اور "سورۃ محمد" کی مندرجہ ذیل دو آیتیں صحابہ کرام کے تزکیہ و تعدیل میں نص صریح ہیں :۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین [3]	اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو انہیں میں سے رسول بھیجا، ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

---

(۱) تفسیر طبری (۲) ازالۃ الخفاء۔ ص ۲۰ (۳) سورۃ آلِ عمران ع

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالے نے مؤمنین پر احسان جتایا ہے کہ ان میں ایسا رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت کے علاوہ تزکیہ نفوس بھی کرتا ہے یعنی ان کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتا ہے، اور امتنان اسی وقت درست ہوگا جبکہ فی الواقع تزکیہ ہو چکا ہو اسی لیے پہلی حالت کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے "وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" اور تقابل اسی وقت ہو سکتا ہے جب پہلی حالت کلیۃً تبدیل ہو چکی ہو۔

آیت میں "مومنین" کا لفظ اگرچہ عام ہے۔ لیکن "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کے اصول کے پیشِ نظر اس سے صحابہ کرام ہی مراد ہیں۔ کیونکہ "سورۃ جمعہ" والی آیت میں "الامیین" کا لفظ ہے اور "امیین" سے عرب کے لوگ مراد ہیں اور ان میں سب سے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

ھو الذی بعث فی الامیین	وہی جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے
رسولا منھم یتلوا علیھم	ایک رسول بھیجا جو ان پہ اسکی آیتیں
ایتہ و یزکیھم و یعلمھم	پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے
الکتاب والحکمتہ وان کانوا من	اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک
قبل لفی ضلل مبین [1]	وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

ان دونوں آیتوں کے مفہوم سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض "تزکیۂ نفوس، تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت" میں سے

---

(۱) سورۃ جمعہ پ ۲۸ ع ۱

ایک تزکیہ نفوس بھی ہے - اگر باقی تین فرائض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتمام وکمال سرانجام دیا ہے (اور یقیناً دیا ہے) تو تزکیہ نفوس کے فریضہ کو بھی بتمام وکمال سرانجام دیا ہے - اسمیں کسی کی تخصیص یا استثناء نہیں - لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ مزکیٰؓ و معدل تھے - سورۃ حجرات کی ایک آیت میں ہے :-

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان	ولیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت
وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم	ڈالدی ہے اور اسکو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے
الکفر والفسوق والعصیان	اور تمہارے دلیں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی نفرت
اولئک ھم الراشدون [1]	ڈالدی ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں -

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان صحابہ کرامؓ کے دلوں میں گھر کر گیا تھا، اور کفر، فسوق (کبیرہ گناہ) اور عصیان (مطلق گناہ) سے ان کو شدید نفرت تھی اور جس کو کسی چیز سے ہو وہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ تا بحد امکان کبیرہ اور صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کیا کرتے تھے - اسی کا نام "عدالت" ہے جیسا کہ علماء اصول کی عبارتوں سے معلوم ہوا۔

اس لیے ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر بے شمار آیات و احادیث جن میں صحابہ کرامؓ کی توصیف فرمائی گئی ہے، کی بنا پر تقریباً اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بن گیا ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل (راست باز اور پاکباز) تھے - کوئی بھی ان میں سے فاسق نہیں تھا - علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فھم خیر القرون وخیر امۃ	پس صحابہ کرامؓ بہترین لوگ اور بہترین

---

(۱) سورۃ حجرات پ ۲۶ ع ۱۴

اخرجت للناس ثبت عدالتہ جمیعهم بثناء اللہ عز وجل علیهم وثناء رسولہ علیہ السلام ولا اعدل ممن ارتضاہ اللہ بصحبۃ نبیہ ونصرتہ ولا تزکیۃ افضل من ذلک و لا تعدیل اکمل منہ [1]

امت میں جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالی گئی ہے ، ان سب کی عدالت اللہ و رسول کے ان کی تعریف کرنے سے ثابت ہے اور کوئی شخص اس سے زیادہ عادل نہیں ہو سکتا جس کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور نصرت کے لیے چن لیا ہو، کوئی تزکیہ اور تعدیل تعالیٰ اس سے بڑھ کر اور بہتر نہیں۔

امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

والصحابۃ یشارکون فی جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل فانهم کلهم عدول لا یتطرق الیهم الجرح لان اللہ عز و جل و رسولہ زکیاهم و عدلاهم [2]

صحابہ کرام تمام راویوں کے ساتھ تمام باتوں میں شریک ہیں مگر جرح اور تعدیل میں نہیں کیونکہ وہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں ان کی طرف جرح نہیں آ سکتا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے انکی پاکبازی اور تعدیل فرمائی ہے۔

خطیب علیہ الرحمۃ نے "الکفایۃ" میں عدالت صحابہ کے موضوع پر بہت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ بتعدیل اللہ لهم واخبارہ عن

صحابہ کرام کی عدالت ، اللہ کی تعدیل اور نص قرآنی میں ان کی طہارت کی خبر

---

(۱) مقدمہ استیعاب ص ۲ (۲) اسد الغابہ - ج ۱ - ص ۲

طہارتھم واختیارہ لھم فی نص القرآن — دینے اور ان کو مختار بنانے سے ثابت ہوتی ہے

آگے متعدد آیات احادیث متعلقہ عدالت صحابہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

وجمیع ذالک یقتضی طہارۃ الصحابۃ والقطع علی تعدیلھم ونزاھتھم فلا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ تعالیٰ لھم، المطلع علی بواطنھم الی تعدیل احد من الخلق لہ

یہ تمام آیات اور احادیث صحابہ کرام کی طہارت اور انکی تعدیل اور نزاہت پر یقین رکھنے کا تقاضا کرتی ہیں، پس ان میں سے کوئی صحابی اللہ کی تعدیل کے بعد جو ان کی باطنی کیفیات تک سے باخبر ہے، کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں :-

لو لم یرد من اللہ عز وجل ورسولہ فیھم شئی مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الھجرۃ، والجھاد والنصرۃ وبذل المھج والاموال وقتل الآباء والاولاد والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین القطع علی

صحابہ کرامؓ کی تعدیل و توصیف میں اللہ اور رسول کے وہ ارشادات جو ہم نے ذکر کیے نہ بھی وارد ہوتے تو بھی وہ حالات جن پر وہ تھے یعنی ہجرت، جہاد، نصرت اور جان و مال کی قربانی، آباء اور اولاد کا قتل اور دینی خیرخواہی قوت ایمان و یقین (یہ تمام چیزیں) ان کی عدالت پر یقین رکھنے اور ان کی

عدالتھم والاعتقاد لنزاھتھم وانھم افضل من جمیع المعدلین والمزکین الذین یجیئون من بعدھم ابد الابدین

نزاہت کا اعتقاد رکھنے کو واجب قرار دیتی ہیں۔ بے شک وہ ابدالآباد تک اپنے بعد آنے والے تمام عادل اور پاکبازوں سے بہتر ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:۔

ھذا مذھب کافۃ العلماء و من یعتد بقولہ من الفقھاء [1]

تمام علماء اور معتبر فقہا کا یہی مذہب ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اتفق اھل السنۃ علی ان الجمیع عدول ولم یخالف فی ذلک الاشذ وذمن المبتدعۃ وقد ذکر الخطیب فی "الکفایۃ" فصلا نفیسا فی ذلک [2]

اہلسنت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ اور اسمیں چند بدعتیوں کے سوا کسی کا اختلاف نہیں اور "خطیب" نے "الکفایۃ" میں اسمیں (عدالت میں) عمدہ فصل ذکر کی ہے۔

آگے "الکفایہ" سے وہ پوری فصل جس کے کچھ اقتباسات ابھی آپ نے ملاحظہ فرمائے، ذکر کی ہے۔ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

وقال السبکی والقول الفصل انا نقطع بعدالتھم من غیر التفات الی ھذیان الھاذین وزیغ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ہم ان (صحابہ) کی عدالت کا یقین رکھتے ہیں اور کجرویوں

(۱) الکفایہ ۔ ص ۴۹

(۲) مقدمہ اصابہ ۔ ج ۱ ۔ ص ۲

المبطلين وقد سلف اكتفاءنا
في العد الة بتزكية الواحد فكيف
بمن كاهم علام الغيوب الذي
لا يعزب عن علمه مثقال ذرة
في الارض ولا في السماء في غير
آية و افضل خلق الله الذي عصمه
الله من الخطأ في الحركات و
السكنات محمد صلى الله عليه وسلم
في غير حديث
له

کی بکواس اور باطل پرستوں کی کج بحثیوں
کی طرف توجہ نہیں کرتے اور پہلے یہ بات
گذر چکی ہے کہ ہم عدالت کے باب میں
ایک آدمی کے تزکیہ پر اکتفا کر لیتے ہیں،
پس ان حضرات کی عدالت کا کیسے یقین
نہ کریں جن کا تذکرہ علام الغیوب نے متعدد
آیات میں کیا ہے، جس کے علم سے
زمین و آسمان میں ایک ذرہ مخفی نہیں اور
جن کی تعدیل اللہ کی مخلوق میں سب سے
افضل، حرکات و سکنات میں معصوم
ذات، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد
احادیث میں کی ہے۔

مذکورہ بالا اقوالِ ائمہ سے معلوم ہوا کہ بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل تھے، ان میں سے کوئی بھی فاسق دکبائر پر جری) اور صغائر پر اصرار کرنے والا) نہیں تھا۔

ایک اشتباہ

بعض متاخرین علماء اس بات کے قائل ہیں کہ "الصحابة كلهم عدول"

---

(۱) تحریر الاصول۔ ج ۲۔ ص ۲۶۰

کے معنی صرف یہ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں عادل تھے، ان میں سے کوئی بھی قصداً کسی غلط بات کی نسبت آپکی طرف نہیں کرتا تھا بلکہ وہ آپ سے روایت کرنے میں جھوٹ سے کلی اجتناب کرتے تھے یہ بالکل درست ہے لیکن "الصحابۃ کلھم عدول" کے صرف یہی معنی مراد لینا اور پوری زندگی کے اعتبار سے ان کو عادل نہ سمجھنا بچند وجوہ غلط ہے۔

(۱) متقدمین میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں اور نہ ہی اصول کی کسی کتاب سے اس معنی کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

(۲) سب سے پہلے قرآن کریم نے اور اس کے بعد فقہاء اور محدثین نے "عادل" کو فاسق کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے، اور فاسق صرف روایت حدیث میں جھوٹ لینے والے کو ہی نہیں کہتے بلکہ فسق کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے لہٰذا عادل بھی اسی کو کہیں گے جو زندگی کے تمام شعبوں کے اعتبار سے عادل ہو۔

(۳) متقدمین میں سے جن لوگوں نے بھی عدالتِ صحابہ پر کلام کیا ہے، انہوں نے ان تمام آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں "خیر امت" یا "امت وسط" یا "رضی اللہ عنہم" کے الفاظ یا صحابہؓ کرام کے دوسرے فضائل و مناقب کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا "خیر امت" یا "امتِ وسط" یا "مستحق رضائے الٰہی" ہونا یا دوسرے فضائل و مناقب کے ساتھ موصوف ہونا صرف اس لیے نہیں تھا کہ وہ روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ پوری زندگی کے اعتبار سے تھا، اس لیے پوری زندگی کے اعتبار سے وہ حضرات عادل تھے جبھی تو علماء نے فضائل و مناقب کی آیات و احادیث کے ساتھ ان کی عدالت پر

استدلال کیا ہے ورنہ اگر ان کے عادل ہونے کے یہی معنی ہوتے کہ وہ روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوتا کہ تاریخ شاہد ہے کہ کسی صحابی رضی نے کبھی کسی غلط بات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور کبھی آپ سے روایت کرنے میں جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا۔

(۲) صحابہ کرام رضی کے عادل ہونے کے اگر یہی معنی ہوتے تو بعض اہل بدعت فرق قدیمہ صحابہ کرام رضی میں اختلافات و نزاعات رونما ہونے کے بعد اختلافات میں حصہ لینے والے تمام صحابہ رضی یا حضرت علی رضی کے مخالف صحابہ رضی کی عدالت میں کیوں اختلاف کرتے جبکہ آج تک کسی صحابی رضی سے بھی روایت حدیث میں جھوٹ ثابت نہیں۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام رضی روایت حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اور آپ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت نہیں کرتے تھے اور بس۔ انہیں دو وجہ سے غلطی لگی ہے۔ ایک تو متقدمین مثلاً ابن الانباری وغیرہ رحمۃ اللہ کے کلام میں "الصحابۃ کلھم عدول" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے " المراد قبول روایاتھم من غیر تکلف البحث عن اسباب العدالۃ وطلب التزکیۃ " کے الفاظ میں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی کے عادل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ ان کی روایات، اسباب عدالت سے بحث کیے بغیر قبول کی جائیں گی بس اسی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ صحابہ کرام کا عادل ہونا روایت حدیث کی حد تک ہے۔

حالانکہ بالکل واضح بات ہے کہ انکی روایات اسباب عدالت سے بحث کیے بغیر اسلیے قبول کی جائیں گی کہ ان کی عدالت کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت ہے

اور عدالت وہی جو روایت حدیث میں معتبر ہے، یعنی اجتناب کبائر و عدم اصرار بر صغائر اور خلاف مروت باتوں سے پرہیز تو پھر اسباب عدالت سے بحث کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خود ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی تشریح موجود ہے۔ فرماتے ہیں:۔

الا ان یثبت ارتکاب قادح و لم یثبت	الا یہ کہ کسی قادح کا ارتکاب ثابت ہو جائے اور یہ ثابت نہیں۔

یعنی یہ کہ صحابہ کرامؓ سے کوئی قادح عدالت امر ثابت ہی نہیں۔

صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے

صحابہ کرامؓ کمال تزکیہ نفس اور طہارت باطنی کے باوجود بشر اور انسان ہی تھے اور ہر غیر نبی انسان غیر معصوم ہے۔ کیونکہ معصوم وہ ہے جو گناہوں سے بالکل محفوظ و مصئون ہو۔ داخلی اور خارجی اسباب کی بنا پر اس سے گناہ کا صدور ہی ناممکن ہو۔ خداوند قدوس خود اس کی حفاظت و صیانت کا ذمہ دار ہو۔ یہ درجہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ جن کی ذات گرامی امت کے لئے مکمل نمونہ ہدایت و سعادت ہوتی ہے اور جن کی ذرا سی لغزش سے اقوام و ملل کی زندگی کا نظام تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ "مفردات القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وعصمۃ الانبیاء حفظہ تعالیٰ ایاھم اولاً بما خصھم بہ من صفاء الجواھر ثم بما	اور عصمت انبیاء سے مراد وہ نگرانی اور حفاظت ہے جو جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہوتی ہے۔ اولاً اس طرح کہ

اولاً هم من الفضائل الجسميه
والنفسيه ثم بالنصرة وتثبت
اقدامهم ثم بانزال السكينة
عليهم و بحفظ قلوبهم و
بالتوفيق قال تعالىٰ والله
يعصمك من الناس

ان کا مایۂ خمیر ہی طہارت وپاکیزگی کو
بنادیا جاتا ہے، پھر اس طرح کہ ان کو
اعلیٰ جسمانی ونفسانی کمالات عطا فرمائے
جاتے ہیں، پھر اس طرح کہ نازک مواقع
پر نصرت خداوندی ان کی مدد کرتی ہے
اور انکے قدموں کو راہِ حق سے ڈگمگانے
نہیں دیا جاتا پھر اسطرح کہ انکو طمانیت
باطنی، جمعیت قلبی اور توفیق خیر سے
سرفراز فرمایا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری
ہے " واللہ یعصمک من الناس "

لیکن صحابہ کرامؓ سے بتقاضائے بشریت و عدم عصمت "عدول"
ہونے کے باوجود معصیت کا صدور ممکن ہے۔ لیکن بعض صدور معصیت
منافی عدالت نہیں ہے۔

محض صدور معصیت عدالت کے منافی نہیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ روایت اور شہادت کے باب میں عدالت بمقابلہ فسق اور عادل بمقابلہ فاسق استعمال ہوتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت "والذین یرمون المحصنت الی قولہ واولئک ھم الفسقون" کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں تین احکام ہیں۔ اور تیسرا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

الثالث ان یکون فاسقا لیس بعدل لا عند اللہ ولا عند الناس [1]	تیسرا یہ کہ (قاذف) فاسق ہو جائیگا، عادل نہیں رہے گا اور نہ اللہ کے ہاں، نہ لوگوں کے ہاں۔

اگر کسی عادل سے فسق کا صدور ہو جائے یعنی کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو کہ موجب ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ کے لیے اس کی عدالت ختم ہو جاتی ہے، بلکہ اگر توبہ کر لے تو پہلے کی طرح عادل ہی سمجھا جائے گا اور اس کی عدالت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے متصل اگلی آیت ہے :۔

الا الذین تابوا واصلحوا فان اللہ غفور الرحیم	مگر جنہوں نے توبہ اور اصلاح کر لی تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :۔

فالاستثناء عامل فی فسق باجماع [2]	یعنی تمام علماء کے نزدیک توبہ سے فسق زائل ہو جائے گا۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۔ ج ۳ ۔ ص ۲۶۴ (۲) تفسیر قرطبی ۔ ج ۱۲ ۔ ص ۱۷۹

خطیب علیہ الرحمۃ ایسے امور کا ذکر کرنے کے بعد جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے فرماتے ہیں :-

كل من ثبت عليه فعل شئ من معظم الكبائر المذكورة او ما كان بسبيلها كشرب الخمر واللواطة ونحوها فعدالته ساقطة وخبره مردود حتى يتوب [1]

جس کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ ان کبائر یا ان جیسے دوسرے گناہوں مثلاً شراب نوشی، عمل قوم لوط وغیرہ کا مرتکب ہے، تو اسکی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اسکی خبر مردود ہوگی۔ یہاں تک کہ توبہ کر لے۔

محل استشہاد "حتی یتوب" کا لفظ ہے یعنی اگر توبہ کرے تو اس کی عدالت بھی بحال ہو جائے گی اور اس کی خبر بھی قبول کی جائیگی۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی کے الزام اور ان پر اقامت حد کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وليست الذنوب مسقطة للعدالة اذا وقعت منها التوبة [2]

اور گناہ مسقط عدالت نہیں ہیں جبکہ ان سے توبہ کر لی جائے۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ مقبول الروایۃ اور مردود الروایۃ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

التائب من الكذب في حديث الناس وغيره من

عام گفتگو میں جھوٹ اور دیگر اسباب فسق سے توبہ کرنے والے کی

---

(١) کفایہ - ص ١٠٥　　(٢) العواصم من القواصم - ص ٩٤

اسباب الفسق تقبل روایتہ[1] روایت قبول کی جائے گی۔

علامہ عراقی، امام نووی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ نے حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں یہی لکھا ہے۔

مذکورہ بالا ائمہ محدثین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اسباب فسق سے توبہ کر لینے کی صورت میں عدالت بحال ہو جاتی ہے اور بصورت دیگر آدمی فاسق، مردود الروایۃ والشہادۃ ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے صدورِ معصیت

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے معصیت کا صدور صرف ممکن ہے ضروری نہیں تاکہ اس موضوع سے متعلق تمام بے سروپا تاریخی روایات کا ماننا ضروری ہو، کیونکہ بمقتضائے نص کامل تزکیۂ نفس اور فسوق و عصیان سے شدید نفرت کے باعث تمام حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معصیت کے ارتکاب سے اجتناب کرتے تھے۔ بتقاضائے بشریت اگر کبھی معصیت کا صدور ہو بھی جاتا تو تزکیۂ نفس اور فسوق و عصیان سے نفرت کی خدائی ضمانت کے طفیل اور آنحضرتؐ کی صحبت کی برکت سے بہت جلد انہیں توبہ کی توفیق ہو جاتی اور وہ سچے دل سے توبہ کر لیتے۔ یہ محض حسن عقیدت ہی نہیں بلکہ ارشاد ربانی "وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر وہ بار بار ایک گناہ کرتے چلے جائیں یا ایک دفعہ کرنے کے بعد توبہ نہ

---

(۱) مقدمہ ص ۱۰۴ طبع جدید، فتح المغیث (عراقی) ج ۲ - ص ۲۸، تقریب مع التدریب ص ۲۲۰، منہج ذوی النظر مع شرح منظومۃ علم الاثر - ص ۱۰۷

کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں گناہ سے نفرت اور کراہت نہیں تھی اور قرآن نے (معاذ اللہ) یونہی ایک بات کہہ ڈالی۔

بہرحال اگر کوئی غلطی ان سے سرزد ہوئی بھی ہے تو انہیں اسکی معافی مل چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے رضامندی کا اظہار کر چکا ہے اور انہیں جنت کی بشارت دی جا چکی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :-

وما قدر انّه کان فیه ذنب من الذنوب لهم فهو مغفور لهم اما بتوبة و اما بحسنات ماحیة و اما بمصائب مکفرة واما بغیر ذلك فانه قد قام الدلیل الذی یجب القول بموجبه انهم من اهل الجنة فامتنع ان یفعلوا ما یوجب النار لا محالة [1]

صحابہ کرام کیطرف منسوب لغزشوں میں سے جن کے متعلق فرض کر لیا گیا ہے کہ ان میں ان حضرات کا کچھ گناہ تھا، پس وہ انہیں معاف ہو چکی ہیں، یا تو توبہ کے ساتھ یا نیکیوں کے ساتھ جو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یا مصائب کے ساتھ جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں، یا اس کے علاوہ کسی اور طریق سے کیونکہ (اسکی) ایک ایسی دلیل قائم ہو چکی ہے جس کے موجب کا اقرار کرنا واجب ہے، وہ یہ کہ صحابہ کرام جنتی ہیں، پس محال ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کر گذریں جو دوزخ کا موجب ہو۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

---

(۱) المنتقیٰ - ص ۲۱۹

وما قدر من هذه الامور ذنبا محققا فان ذلك لا يقدح فيما علم من فضائلهم و سوابقهم وكونهم من اهل الجنة [1]

ان لغزشوں میں جن کا سچ مچ گناہ ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے وہ ان (صحابہؓ کرام) کے فضائل اور سابقہ اعمالِ خیر اور جنتی ہونے میں قادح نہیں ۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "الاجوبۃ العراقیہ علی الاسئلۃ الایرانیۃ" میں عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

انه ما مات من ابتلی منهم بفسق الا تائبا عدلا ببركة نور الصحبة

بے شک صحابہؓ کرام میں سے جو شخص بھی کسی موجبِ فسق امر میں مبتلا ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ صحبت کی برکت سے توبہ کرکے عادل ہونے کی حالت میں فوت ہوا۔

آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے کہ جب بعض صحابہؓ کرام سے موجبِ فسق امر کا صدور ثابت ہے تو جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہو عدالت ثابت نہیں ہوگی، فرماتے ہیں :-

انه لا بد من ان يتوب ببركة الصحبة التي هي الاكسير الاعظم [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اسکا توبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ آپ کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ راوی حدیث اور شاہد (گواہ) کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اور روایت و شہادت میں کوئی شخص اسی وقت عادل ہوگا جب کہ پوری زندگی کے اعتبار سے عادل ہو یعنی کبائر سے اجتناب کرنے والا اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا اور خلاف مروت باتوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔ جب کوئی دوسرا اس معنی کے اعتبار سے عادل ہوسکتا ہے تو صحابہ کرام بدرجہ اولیٰ اس معنی کے اعتبار سے عادل ہوسکتے ہیں۔ پھر جبکہ ان سے دین جیسی گرانمایہ امانت کے اخذ میں ان پر جرح کرنا اور ان کے اندرونی حالات اور باہمی معاملات کی چھان بین کرنا جائز نہیں، تو محض تاریخی روایات کی تحقیق و تنقیح کی مشق کے لیے ان پر جرح کرنا اور ان کے اندرونی حالات اور باہمی معاملات کی چھان بین کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے جیسا کہ اس دور میں ہو رہا ہے۔

اگر غلط قسم کے تاریخی انتسابات سے صحابہ کرام کی صفائی پیش کرنے سے تاریخ کی صداقت مشکوک اور مجروح ہو جاتی ہے تو عدالت صحابہؓ کو مجروح کرنے والی تاریخی روایات سے پورا دین مشکوک اور بے اعتبار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کا عادل اور فسوق و عصیان سے بری ہونا تو مسلّم ہے لیکن وہ تاریخی روایات جو ان کی طرف فسوق و عصیان یا خلاف مروت امور کی نسبت کرتی ہیں، مردود اور ناقابلِ تسلیم ہیں۔ باقی تاریخ کا حصہ جو صحابہ کرامؓ کے

شاندار کارناموں سے متعلق ہے صحابہ کرامؓ کی بلند شان اسکی محتاج نہیں، ان کی شان اس سے کہیں اونچی ہے، ہم تاریخ کے اس حصہ کو صرف اس لیے مان لیتے ہیں کہ صحابہ کی شان کے یہی شایان ہے۔

مشاجراتِ صحابہؓ

مشاجرات سے مراد وہ اختلافات اور جنگیں ہیں جو حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان رونما ہوئیں۔ بعض لوگ دوسرے صحابہؓ کی عدالت کے تو قائل ہیں لیکن حضرت علیؓ کے مخالف صحابہؓ یا اختلافات میں حصہ لینے والے تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت کے قائل نہیں۔ اگرچہ اختلافات سے پہلے وہ ان کی عدالت کے بھی قائل نظر آتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ علماء امت کے نزدیک ان اختلافات کی جو شرعی حیثیت ہے اس کو بیان کیا جائے اور یہ کہ امت کے لیے اس مقام پر ادب کا کیا تقاضا ہے۔

چنانچہ ابن الہمام رحمہ اللہ علامہ سبکی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔

ونحن نسلم امرهم فيما	اور ہم ان کے آپس کے وقائع کو اللہ
جرى بينهم الى ربهم	تعالٰی کے سپرد کرتے ہیں اور ہم اللہ تعالٰی
جل وعلا ونبرأ الى الملك	کی بارگاہ میں ان لوگوں سے برأت پیش
سبحانه من يطعن فيهم	کرتے ہیں جو ان میں طعن کرتے ہیں اور ہم
ونعتقد ان الطاعن على ضلال	اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ
مهين وخسران مبين مع	عنہٗ امام حق تھے اور وہ مظلوم قتل ہوئے
اعتقاد فان الامام الحق	اور اللہ تعالٰی نے صحابہؓ کو ان کے قتل
كان عثمان وانه قتل مظلوماً	میں حصہ لینے سے محفوظ رکھا۔ ان کو قتل کرنیوالا
وحمى الله الصحابة رض من	بہت متعصب شیطان تھا کسی صحابی سے آپ کے

مباشرة قتله فالمتولی قتله کان
شیطاناً مریداً لا نحفظ عن
احد الرضا بقتله انما المحفوظ
الثابت من کل منهم انکار ذلك
ثم کانت مسئلة الاخذ بالثأر
اجتهادیة رأی علی کرم الله وجهه
التاخیر مصلحة ورأت عائشة
رضی الله عنها البدار مصلحة
وکل جری علی وفق اجتهاده
وهو ماجور ان شاء الله تعالی
ثم کان الامام الحق بعد ذی
النورین علیا کرم الله وجهه
وکان معاویة رضی الله عنه
متاولا هو وجماعته ومنهم
من قعد عن الفریقین واحجم
عن الطائفتین لما اشکل الامر
وکل عمل بما ادی الیه اجتهاده
والکل عدول رضی الله عنهم
فهم نقلة هذا الدین و

قتل پر رضامندی ثابت نہیں، سب صحابہ
کرام سے ان پر انکار ہی ثابت ہے، پھر
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا
مسئلہ اجتہادی تھا، حضرت علیؓ کی رائے
تھی کہ تاخیر میں مصلحت ہے اور حضرت
عائشہؓ کی رائے تھی کہ جلدی میں مصلحت ہے
اور ہر ایک اپنے اجتہاد پر عامل ہوا اور انشاء اللہ
وہ اجر حاصل کریگا پھر امام حق بعد ذی النورین
(حضرت عثمانؓ) کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
تھے اور حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت
تاویل کرنے والے تھے اور انہی میں سے
وہ لوگ تھے جو ہر فریق سے علیحدہ رہے
اور ہر طائفہ کے ساتھ پیشقدمی کرنے سے
رک گئے کیونکہ ان کو مسئلہ میں اشکال ہو
گیا تھا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور
سبھی عادل ہیں، یہی وہی اس دین کے
نقل کرنے والے اور اس کے اٹھانے
والے ہیں۔ انہیں کی تلواروں سے دین
غالب ہوا اور انہیں کی زبانوں سے پھیلا

حملته الذين يا سيافهم ظهر و بالسنتهم انتشر ولو تلونا الاى وقصصنا الاحاديث فى تفضيلهم لطال الخطاب فهذه كلمات من اعتقد خلافها كان على زلل وبدعة فليضمر ذو الدين هذه الكلمات عقدا ثم ليكف عما جرى بينهم فتلك طهر الله منها ايدينا فلا نلوث بها السنتنا اه [1]

اگر ہم ان آیات کی تلاوت کریں اور ان احادیث کو بیان کریں جو ان کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں تو بہت زیادہ طول ہو جائے پس یہ کلمات ایسے حقانی ہیں کہ جو ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ لغزش اور بدعت میں مبتلا ہے، دیندار کو اس پر عقیدہ رکھنا چاہیئے اور جو کچھ ان میں واقعات پیش آئے ان سے زبان کو روکنا چاہیئے۔ یہ وہ خون ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک کر رکھا ہے تو ہم کو چاہیے کہ اپنی زبانوں کو اس سے ملوث نہ کریں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔

فاما معاوية رضى الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار والحروب التى جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب نفسها

اور لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پس وہ عدول فضلاء اور بہترین صحابہ میں سے ہیں اور جو لڑائیاں آپس میں واقع ہوئی ہیں تو ہر ایک جماعت کو شبہ تھا جس سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتی

---

[1] تحریر الاصول مع شرح تقریر الاصول ج ۲ ص ۲۶۱

یسبها وکلهم متاولون	تھی اور سب کے سب اپنی اپنی لڑائیوں میں
فی حروبهم ولم یخرج احد	تاویل کرنے والے تھے ان میں سے کوئی
منهم من العدالة لانهم	بھی اس وجہ سے عدالت سے نہیں نکلا
مجتهدون اختلفوا فی	کیونکہ سب مجتہد تھے۔ متعدد مسائل میں
مسائل کما اختلف المجتهدون	باہم اختلاف ہوگیا جیسے کہ بعد میں مجتہدین
بعدهم فی مسائل ولا یلزم من	نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا کسی
ذلك نقص احد منهما [1]	کو کوئی نقصان عارض نہیں ہوا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ عدالتِ صحابہ سے متعلق شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

وکذلك کل من قاتل علیا رض	ایسے ہی وہ تمام صحابہ رض جنہوں نے حضرت
رضوان اللہ علیه یوم صفین و اما	علی رض سے صفین کے دن قتال کیا یعنی وہ
اهل الجمل فما قصدوا قط	سب متاول تھے اور لیکن اہل جمل پس
قتال علی رضوان اللہ علیه ولا	انہوں نے ہرگز حضرت علی رض سے لڑائی کا
قصد علی رضوان اللہ علیه	ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی حضرت علی رض نے
قتالهم وانما اجتمعوا بالبصرة	ان سے قتال کا قصد کیا۔ وہ تو بصرہ میں
للنظر فی قتلة عثمان رضوان	قاتلین عثمان رض کے متعلق غور و فکر کرنے
اللہ علیه واقامة حق اللہ تعالی	اور ان پر اللہ کا فیصلہ نافذ کرنے کی
فیهم فتسرع الخائفون علی	غرض سے جمع ہوئے تھے پس جن لوگوں کو

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

انفسھم اخذ عداللہ تعالٰے منھم وکانوا اعداء عظیمۃ یقربون من الاثوف فاثاروا القتال خفیۃ حتی اضطر کل واحد من الفریقین الی الدفاع عن انفسھم اذ راوا السیف قد خالطھم وقد جاء ذلک نصا مرویا ؎

اپنے اوپر اللہ کا مقرر کردہ حکم نافذ کئے جانے کا خطرہ تھا انہوں نے چپکے سے جنگ برپا کرنے میں سبقت کی حتیٰ کہ ہر فریق نے جب یہ دیکھا کہ تلوار انہیں آ چکی ہے تو دفاع پر مجبور ہو گیا اور یہ بات صریحاً منقول ہے۔

اس کے بعد اپنے مخصوص انداز میں ائمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ جب ان آئمہ کے لئے اجتہاد کو مباح قرار دیا جاتا ہے۔ اور ان کو تحلیل و تحریم کا حق دیا جاتا ہے حالانکہ ان کے لئے جنتی ہونے کا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اگرچہ حسن ظن کی بناء پر ان کے لئے اللہ تعالےٰ سے یہی امید ہے تو پھر صحابہ کرام کے لئے اس کو کیوں روا نہیں رکھا جاتا۔ فرماتے ہیں

ثم لا تجیز ذلک لعلی و ام المؤمنین وطلحۃ والزبیر وعماد وھشام بن حکیم ومعاویۃ و عمرو والنعمان وسمرۃ وابی الغادیۃ وغیرھم وھم ائمۃ الاسلام حق وغیرھم وھم

پھر یہی حق علی، ام المومنین، طلحہ، زبیر، عمار، ہشام بن حکیم، معاویہ، عمرو، نعمان، سمرہ، ابو الغادیہ اور دوسرے حضرات رضوان اللہ علیہم کو نہیں دیتے حالانکہ وہ حقیقتاً آئمہ اسلام ہیں اور ان کی فضیلت اور

ائمۃ الاسلام حق والمقطوع علی فضلهم وعلی اکثرهم بانهم فی الجنۃ وهذا الاتجبیل الاعلی مخذول وکل من ذکرنا من مصیب او مخطئ فماجور علی اجتهاده اما اجرین واما اجرا وکل ذلك غیر مسقط عدالتهم [1]

ان میں سے اکثر کا جنتی ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ یہ تمام حضرات جن کا ہم نے ذکر کیا کوئی مصیب ہو یا مخطی پس اس کو اجر ملیگا۔ دہرا یا ایک۔ اور یہ سب کچھ جو ان سے صادر ہوا ان کی عدالت کو ساقط نہیں کرتا۔

شارح عقائد نسفیہ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں

وما وقع بینهم من المنازعات والمحاربات فله محامل و تاویلات، [2]

صحابہ کرامؓ کے درمیان جو نزاعات اور محاربات وقوع پذیر ہوئے ان کے معقول محامل اور تاویلات ہیں۔

علامہ فرہاروی رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمجمل انهم کانوا یطلبون الحق ولکن یصیب بعضهم فی الاجتهاد ویخطی بعضهم والمخطی فی الاجتهاد غیر ماخوذ بل ماجور وهکذا جرت عادۃ السلف الصالحین

اجمالاً یہ کہ وہ تمام حضرات حق کے متلاشی تھے لیکن ان میں سے بعض حضرات اپنے اجتہاد میں صائب الرائے تھے اور بعض خطا پر۔ ان میں سے جو خطا پر تھا اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں بلکہ اسے بھی اجر ملیگا اور سلف صالحین

۱۔ احکام الاحکام (ابن حزمؒ) ج ۲ ص ۸۷ ۔ ۲۔ شرح عقائد ص ۱۱۶

بحمل افعال الصحابة علی مقاصد صحیحة ؎

کی عادت اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے افعال کو مقاصد صحیحہ پر محمول کرتے تھے۔

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

المبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف عما شجر بین الصحابة ووجوب اعتقاد انهم ماجورون وذلك لانهم کلهم عدول باتفاق اهل السنة سواء من لابس الفتن ومن لم یلابسها کفتنة عثمانؓ ومعاویةؓ ووقعة الجمل کل ذلك وجوبا لاحسان الظن بهم حملا لهم فی ذلك علی الاجتهاد فان تلك امور مبناها علیه وکل مجتهد مصیب او المصیب واحد والمخطی معذور بل ماجورٌ قال ابن الانباری ولیس المراد بعدالتهم ثبوت العصمة لهم واستحالة

چوالیسویں مبحث، صحابہؓ کرام کے باہمی اختلافات سے کف لسان کے وجوب کے بیان میں ہے اور یہ عقیدہ رکھنے کے وجوب میں کہ ان کو اس میں اجر ملیگا یہ اس لیئے کہ وہ باتفاق اہل سنت سب کے سب عادل تھے خواہ ان میں سے کسی نے اختلاف اور فتن میں حصہ لیا یا نہیں جیسے قتل عثمانؓ کا فتنہ اور معاویہ کا اختلاف اور جمل کا قصہ یہ سب اُن کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر ان کے افعال کو اجتہاد پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ ان تمام امور کا مبنی اجتہاد ہے اور ہر مجتہد راستی پر ہوتا ہے یا (علی اختلاف القولین) ایک

؎ نبراس شرح شرح عقائد ص ۵۴۱

المعصیۃ منھم وانما المراد قبول
روایاتھم لنا احکام دیننا من غیر
تکلف بحث عن اسباب العدالۃ و
طلب التزکیۃ ولم یثبت لنا الی
وقتنا ھذا شیئ یقدح فی عدالتھم
وللہ الحمد فنحن علی استصحاب
ما کانوا علیہ فی زمن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم حتی یثبت خلافہ ولا
التفات الی مایذکرہ بعض اھل
السیر فان ذلک لایصح وان
صح فلہ تاویل صحیح وما احسن
قول عمر بن عبد العزیز رضی
اللہ عنہ تلک دماء طھر اللہ
تعالی منھا سیوفنا فلا نخضب
بھا السنتنا وکیف یجوز
الطعن فی حملۃ دیننا فیمن
لم یأتنا خبر عن نبینا صلی اللہ
علیہ وسلم الا بواسطتھم
فمن طعن فی الصحابۃ رض فقد

راستی پر اور صاحب خطا معذور بلکہ
مستحق اجر ہوتا ہے ۔ ابن الانباری رحمہ
اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام سے عدالت
سے ان کا معصوم ہونا مراد نہیں تاکہ
ان سے خطا کا صدور محال ہو (بلکہ)
صرف یہ مراد ہے کہ ہمارے دین کے
جو احکام ان کی روایت سے ہم تک
پہنچتے ہیں ان کو بلا تکلف اسباب
عدالت سے بحث اور طلب تزکیہ
کے بغیر قبول کر لیا جائے گا (کیونکہ)
بحمد اللہ کوئی ایسی چیز جو ان کی عدالت
میں قادح ہو آج تک ثابت نہیں
ہوئی پس ہم انہیں اسی صفت عدالت
پر سمجھیں گے جس پر وہ زمانہ نبوی میں
تھے ۔ یہاں تک کہ اس کا خلاف
ثابت ہو جائے (باقی) اہل سیر جو
کچھ نقل کرتے آئے ہیں اس کو بنظر
التفات نہیں دیکھا جائے گا ۔ کیونکہ
وہ صحیح نہیں اور اگر (بالفرض) صحیح بھی

طعن فی نفس دینه فیجب سد
الباب جملة واحدة لاسیما
الخوض فی امر معاویةؓ وعمروؓ
بن العاص واضرابهما ولا
ینبغی الاغترار بما نقله بعض
الروافض عن اهل البیت من
کراهیتهم فان مثل هذه
المسئلة منزعها دقیق ولا
یحکم فیها الا رسول الله صلی
الله علیه وسلم فانها مسئله
نزاع بین اولاده واصحابه
قال الکمال بن ابی شریف ولیس
المراد بما شجر بین علیؓ و
معاویةؓ المنازعة فی الامارة
کما توهمه بعضهم وانما
المنازعة کانت بسبب تسلیم
قتلة عثمان رضی الله عنه
الی عشیرته لیقتصوا منهم
لان علیاً کان رای ان تاخیر

ہو تو اس کی صحیح تاویل کی جاسکتی ہے۔ حضرت
عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے کیسی اچھی بات
کہی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو
ان کے خونوں سے بچائے رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں
کو ان سے کیوں رنگیں۔ (بھلا) دین کے حاملین
اور ان ہستیوں میں (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی ہر بات انہی سے ہم تک پہنچی) طعن
کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے پس جس نے صحابہؓ
میں طعن کیا (گویا) اس نے اپنے دین میں طعن کیا
اس لیے طعن کا دروازہ کلیۃً بند ہو جانا چاہیے
خصوصاً حضرت معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص
رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دوسرے حضرات
کے معاملہ میں خوض اور بعض روافض نے
جو یہ نقل کیا ہے کہ اہل بیت ان کو اچھا نہیں
جانتے تھے اس سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے
کیونکہ اس قسم کے مسائل کا ماخذ دقیق ہے اسمیں
صحیح فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی
فرما سکتے ہیں۔ کیونکہ مسئلہ انکی اولاد اور اصحاب
میں اختلاف کا ہے کمال بن ابی شریف

تسلیمهم اصوب اذا المبادرة
بالمقبض علیهم مع کثرة عشائرهم
واختلاطهم بالعسکر یؤدی
الی اضطراب امر الامامة
العامة فان بعضهم کان
عزم علی الخروج علی الامام
علیؓ وعلی قتله لما نادی
یوم الجمل بان یخرج عنه
قتلة عثمانؓ ورای معاویةؓ
ان المبادرة الی تسلیمهم
الاقتصاص منهم اصوب
فکل منهما مجتهد ماجور
فهذا هو المراد بما
شجر بینهم
لہ

فرماتے ہیں کہ مشاجرات علیؓ و معاویہؓ
سے یہ مراد نہیں کہ ان کا جھگڑا امارت میں
تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے (بلکہ
نزاع تو صرف قاتلین عثمانؓ کو ان کے
خاندان کے سپرد کرنے میں تھا تاکہ ان سے
قصاص لیا جائے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی
رائے یہ تھی کہ قاتلین عثمانؓ کو ان کے
خاندان کے سپرد کرنے میں تاخیر زیادہ
قرین صواب ہے کیونکہ ان پر ہاتھ ڈالنے
میں جلد بازی ان کے خاندانوں کی کثرت
کی وجہ سے اور لشکر اسلامی میں ان کے ملے جلے
ہونے کی وجہ سے امارت عامہ کے معاملہ کو
مضطرب کرنے کی طرف مؤدی تھی کیونکہ
ان میں سے بعض لوگوں نے جب حضرت علیؓ
نے جمل کے دن ان کو یعنی قاتلین عثمانؓ
کو لشکر سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا تو
حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اور آپ
کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت

لہ الیواقیت والجواہر ص ۲۲۶

معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ ان سے قصاص لینے کے لئے ان کو (حضرت عثمان کے
رشتہ داروں کے) سپرد کرنے میں سبقت کرنا زیادہ قرینِ صواب ہے (بہرحال) حضرت علیؓ
اور حضرت معاویہؓ میں سے ایک مجتہد ماجور ہے یہی مراد ہے ان کے باہمی اختلافات سے

مشاجراتِ صحابہؓ حضرت مجددؒ صاحب کی نظر میں

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات اور مشاجرات کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

اہلسنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات
و منازعات اصحاب خیر البشر را بر
محامل نیک محمول میدارند و از ہوا و
تعصب دور میدانند زیرا کہ نفوس
ایشان در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم
الصلوات والتحیات مزکی شدہ
بود و سینہائے ایشان از عداوت
و کینہ پاک گشتہ غایت مافی الباب
چوں ہر کدام را رائی اجتہاد بودہ
و ہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود
واجب بضرورت در بعض امور
بسبب مخالفت آرا مخالفت و مشاجرت

اہلسنت صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کے نزاعات و اختلافات
کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور
خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے
دور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت خیر البشر
صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے
ان کے نفوس صاف ہوگئے تھے اور
سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔
بیش ازیں نیست کہ ان میں سے ہر
ایک کی ایک رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد
اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد
اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے

لازم گشت و ہر یکے را تقلید رائے
خود صواب آمد پس مخالفت شاں
در رنگ موافقت برائے حق بودہ
نہ برائے ہوا و ہوس نفسِ امّارہ [1]

پس اختلاف آراء کی وجہ سے یہ مخالفت
اور منازعت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک
نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری
سمجھا لہٰذا ان کی یہ مخالفت رائے
حق کی موافقت کے رنگ میں تھی
نہ کہ نفسِ امارہ کی خواہش سے۔

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں :۔

محاربان امیر جم غفیر اند از
اہل اسلام و از اجلہ اصحاب
اند۔ و بعضے از ایشاں مبشر بہ جنت،
تکفیر و تشنیع ایشان امر آسان
نیست کبرت کلمۃ تخرج من افواہھم
قریباً نصف دین و شریعت را
نزدیک است کہ ایشاں تبلیغ
کردہ باشند اگر ایشاں مطعون
باشند اعتماد از شطر دین مے خیزد

جن لوگوں کے حضرت علیؓ سے نزاعات
ہوئے اور جنگ و قتال تک نوبت
پہنچی وہ اہلِ اسلام کی بہت کثیر جماعت
ہے اور ان میں بہت سے جلیل القدر
صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ
ہیں جن کو دنیا ہی میں زبانِ نبوت
سے جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان
کی تکفیر اور علیٰ ہذا القیاس ان کو برا بھلا کہنا
کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دین و شریعت
کا قریباً نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی
وساطت سے امت کو پہنچا ہے۔ اگر وہ
بھی مجروح و مطعون ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائیگا۔

---

[1] دفتر دوم۔ مکتوب نمبر ۳۶

ایک اور مکتوب میں رقمطراز ہیں :۔

محاربات و منازعات کہ درمیان
اصحاب کرام علیہم الرضوان واقع
شدہ اند مثل محاربہ جمل وصفین بر
محامل نیک صرف باید نمود و از
ہوا و تعصب دور باید داشت
چہ نفوس این بزرگواران در
صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات
والتسلیمات از ہوا ہوس مزکیٰ
شدہ بودند و از حرص و کینہ پاک
گشتند اگر مصالحت دارند برائے
حق دارند و اگر منازعت و مشاجرت
است برائے حق است ہر گروہے
بمقتضائے اجتہاد خود عمل نمودہ
اند و مخالف را بے شائبہ تعصب
از خود دفع کردہ اند ہر کہ در
اجتہاد خود مصیب است دو
درجہ و بقولے دہ درجہ ثواب
دارد و آنکہ مخطی یک درجہ ثواب او را

اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین
کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلاً
جنگِ جمل اور جنگ صفین ان سب کو
اچھے محامل پہ محمول کرنا اور خود غرضیوں
و تعصبات سے دُور رکھنا چاہیئے۔
یہ اکابر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت کی تاثیر سے ہوا وہوس اور
کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے
یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو
صرف حق کے لیے اور اگر کسی سے لڑتے
جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے۔
بلاشبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے اجتہاد
کے مطابق عمل اور بغیر کسی تعصب اور
خود غرضانہ جذبہ کے دوسروں کو اپنے
سے دفع کیا پس ان کا حال یہ ہے کہ
جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک تھا
اس کو ۲ دو درجے اور ایک قول کے مطابق
دس درجے ثواب ملے گا اور جس سے

نقد وقت است پس مخطی در رنگ
مصیب از ملامت دور است۔
بلکہ امید درجہ از درجات ثواب
دارد علماء فرمودہ اند کہ در آں
محاربات حق بجانب امیر بودہ است
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ واجتہاد مخالفاں
از صواب دور بودہ مع ذالک
موارد طعن نیستند وگنجائش ملامت
ندارند چہ جائے آنکہ نسبت کفر
یا فسق کردہ شود، امیر کرم اللہ وجہہ
فرمودہ است برادران ما بما باغی
گشتہ ایشاں نہ کافر آنند نہ فاسق
زیرا کہ ایشاں را تاویل است کہ
منع کفر وفسق نماید۔ حضرت پیغمبر
ما فرمودہ است علیہ وعلی آلہ
الصلوٰۃ والسلام ایاکم دما شجر بین
اصحابی پس جمیع اصحاب پیغمبر را علیہ
وعلیہم الصلوات والتسلیمات بزرگی
باید داشت وہمہ را بنیکی یاد

اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک درجہ ثواب
سے وہ بھی خالی نہیں رہے گا، غرض
جن لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی
اسی طرح لعن و ملامت سے دور
ہیں جس طرح کہ فریق ثانی، بلکہ جیسا
کہ بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ
ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں علماء کرام
نے یہ فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں
حق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی
طرف تھا اور آپ کے مخالفین سے
اجتہاد میں غلطی ہوئی۔ بایں ہمہ ان پر
طعن نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ملامت
ہی کی گنجائش ہے۔ کجا یہ کہ کفر یا
فسق کی ان کی طرف نسبت کی جائے
خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان
کے حق میں فرمایا ہے "یہ ہمارے بھائی
ہیں ہم سے باغی ہو گئے ہیں، نہ وہ
کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کا اختلاف
تاویل پر مبنی ہے جو کفر وفسق کیلئے

باید کرد و درحق ہیچ یکے ازیں
بزرگواراں بدنباید بود و گمان
بدنباید کرد و منازعت ایشاں
بہ از مصالحت دیگراں باید داشت
طریق فلاح و نجات ایں است
چہ دوستی اصحاب کرام بواسطہ
دوستی پیغمبر است علیہ وعلیہم الصلوات
والتسلیمات، بزرگے فرماید ما آمن
برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ
لہ

مانع ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم بچو میرے
صحابہ کے اختلافات میں دخل دینے
سے پس ہم کو تمام اصحاب کرام کی
تعظیم کرنا اور سب کو اچھے لفظوں سے
یاد کرنا چاہیئے اور ان میں سے کسی کے
حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کرنا چاہیئے
بلکہ ان کے اختلافات کو دوسروں
کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیئے،
نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے
کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے
محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی
کے واسطہ سے ہے ایک بزرگ (حضرت
شیخ شبلی) فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و
تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پر ایمان
ہی نہیں لایا۔

(العیاذ باللہ)

لہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۷

مشاجراتِ صحابہ، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فریق مخالف حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اما آنکہ حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی معذور بودند از آں قبیل کہ "من اجتہد فقد اخطأ فلہ اجرٌ واحدٌ" پس ازاں جہت کہ متمسک بودند بشبہ ہرچند دلیل دیگر ارجح از وے بود وموجب آں شبہ دو چیز است یکی آنکہ خلافت برائے حضرت مرتضیٰ منعقد نشد زیراکہ اہل حل و عقد عن اجتہاد ونصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ اند۔

حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ اس قبیل میں سے ہے "جس نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کی اس کیلئے ایک اجر ہے" ان کی یہ غلطی اس اشتباہ کی بناء پر تھی (اگرچہ زیادہ مضبوط مسلک دوسرا ہی تھا) کہ ایک یہ کہ حضرت مرتضیٰؓ کی خلافت منعقد نہ ہوئی تھی اور دوسرے یہ کہ ارباب حل وعقد نے غور وفکر اور مسلمانوں کی خیرخواہی دیکھ کر بیعت نہ کی تھی

فریق ثانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

واما آنکہ معاویہ مجتہد مخطی معذور

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مجتہد مخطی معذور

بود پس از آں جہت کہ متمسکات بود بشبہ ہر چند دلیل دیگر در میزان شرع راجح تراز آں برآمد مانند آنچہ در قصہ اہل جمل تقریر کردیم ۱؎

ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہیں اس معاملے میں شبہ لاحق ہوگیا تھا اگرچہ میزان شرع میں اس سے وزنی دلائل موجود تھے۔ یہ شبہ وہی تھا جس کا ہم نے اصحاب جمل کے تحت ذکر کیا۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین جو اختلافات اور جنگیں ہوئیں ان کا مبنی اجتہاد پر تھا، جو کچھ انہوں نے کیا اجتہاد کی بنا پر محض طلب حق کے لیے کیا۔ اسمیں ان کی بدنیتی، ذاتی یا سیاسی اغراض کو قطعاً دخل نہیں تھا اس لیے "کل مجتهد مصیب او المصیب واحد والمخطی معذور بل ماجور" کے اصول کے پیش نظر اجمالاً دونوں جانب کے حضرات کو حسب صواب رائے، براستی اور صواب پر سمجھنا چاہیے اور اگر تفصیل کی ضرورت پڑے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف فریق کو مجتہد معذور سمجھ کر ان کی خطا کو خطائے اجتہادی کہنے پر اکتفا کی جائے جس پر "ان اصاب فله اجران وان اخطأ فله اجر واحد" کے اصول کے پیش نظر یقیناً انہیں اجر ملے گا۔ بلکہ اس سے بھی احوط طریق یہ ہے کہ ہر دو فریقین

---

(۱) ازالۃ الخفاء - ص ۲۷۹ - ۲۸۰

کو راستی اور صواب پر تسلیم کرتے ہوئے نسبتاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اقرب الی الصواب اور اقرب الی الحق تسلیم کیا جائے - ایک متفق علیہ صحیح حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے - چنانچہ فتنہ خوارج اور ان سے قتال کرنیوالی جماعت کے متعلق پیش گوئی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" فیقتلها اولی الطائفتین " اور ایک روایت میں ہے " ادنی الطائفتین من الحق " یعنی جو جماعت حق سے زیادہ قریب ہوگی وہ ان (خوارج) سے قتال کرے گی - جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خوارج سے برسر پیکار ہوئے اگرچہ بعد میں یہ سعادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہو کر رہی - جہاں اس روایت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اقرب الی الحق ہونا ثابت ہوتا ہے وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فی الجملہ حق پر ہونا ثابت ہو رہا ہے - حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وفیہ ان اصحاب علی ادنی الطائفتین الی الحق وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان علیا ھو المصیب وان کان معاویۃ مجتھدا وھو ماجور ان شاء اللہ ولکن علی ھو الامام فلہ اجران [1]	اس حدیث میں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی حق سے زیادہ قریب تھے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ثواب پر تھے اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور انشاء اللہ انہیں اجر ملے گا لیکن امام حضرت علی تھے پس ان کیلئے دو اجر ہیں۔

(۱) البدایۃ والنہایۃ - ج ۷ - ص ۲۷۹

دیکھیے حافظ صاحبؒ نے بھی تقریباً وہی بات کہی ہے جو باقی تمام علماء کہتے ہیں لیکن مزید ادب ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت علیؓ کو مصیب کہنے پر اکتفا کی اور حضرت معاویہؓ کی طرف خطا کی نسبت سے پہلو تہی کر گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اس روش سے نہ تو کوئی دین کی عمارت ہی گرے گی اور نہ ہی حق و باطل کا معیار خراب ہوگا۔ اس پر اغیار ہمیں طعنہ بھی دیں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے دینی آباؤ اجداد ہیں، ہم ان کے متعلق جس قدر بھی حسن عقیدت کا اظہار کریں کم ہے۔ ہمیں ان کی ظاہری خطاؤں کے صحیح محامل اور تاویلات بیان کرنے کا اس سے بھی کہیں زیادہ حق ہے۔ جتنا کسی کو اپنے نسبی آباء و اجداد کی غلطیوں کی تاویلات کا ہو سکتا ہے۔ کسی کو ہمارے معاملہ میں مداخلت کا کیا حق ہے، اور ہم کسی کے لیے اس حق کو کیوں تسلیم کریں اور کیوں ان سے مرعوب ہوں جن کے اپنے کوئی قابل ذکر آباء و اجداد نہ ہوں انہیں ہمارے محترم اور ذیشان آباء و اجداد پر تنقید کرنے کا کیا حق ہے اور کس منہ سے۔ ہم اپنے حریف سے ببانگ دہل کہہ سکتے ہیں" اولائک آبائی فجئنی بمثلھم"۔ اگر وہ ہماری اس روش سے حق کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انہوں نے ہمارے خالص حق کو بھی کب بنظر قبول دیکھا ہے اور ہماری کونسی صداقت کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کیا انہوں نے توحید، رسالت، قرآن وغیرہ اسلامی حقائق کو بغیر کسی شک و شبہ کے حق تسلیم کر لیا ہے۔ اگر نہیں تو ایک مشاجرات ہی کے باب میں ان پر حق کا پہلو واضح کرنے کی اس قدر فکر کیوں ہو اگر چودہ سو سال سے اسلام کا معیار حق و صداقت مشکوک نہیں ہوا تو آج بھی

کوئی خطرہ نہیں۔ اِس لیے محض احمقوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہم اپنے متفق علیہ اِسلامی عقائد، نظریات اور تعبیرات میں لچک پیدا کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

سبِ صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین

بعض گمراہ قسم کے لوگ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی اختلاف سے متاثر ہو کر حب اہل بیت کے پردہ میں تبرا یعنی صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کو عبادت سمجھتے ہیں۔ کم از کم یہ کہ اختلافات کے دور کے واقعات کی تحقیق کے وقت ان کی زبان اور قلم بے ساختہ غیر محتاط ہو جاتی ہے اور وہ بعض صحابہؓ پر ناروا تنقید کر گزرتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ہم "سب" کا مفہوم اور اسکی شرعی حیثیت اور ان پر تنقید اور شاتمین صحابہ کا حکم اختصار کیساتھ ذکر کریں گے۔

سب وشتم کے معنی

سب اور شتم دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

السب، الشتم الوجیع" لہ یعنی فحش اور مغلظ گالی ..... (۱)

لیکن اس سے ماں بہن کی گالی ہی مراد نہیں بلکہ ہر ناشائستہ اور خلاف شان بات کو بھی عربی زبان میں "سب اور شتم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ آیت " لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ عدوا بغیر علم الآیۃ"

---

(۱) اردو ترجمہ مفردات القرآن (امام راغبؒ) ۔ص ۴۴۹

کے تحت لکھتے ہیں:۔

سبہم للہ لیس علی انہم یسبونہ صریحاً ولکن یخوضون فی ذکرہ فیذکرونہ بما لا یلیق بہ ویتمادون فی ذلک بالمجادلۃ فیزدادون فی ذکرہ وبما تنزہ تعالیٰ عنہ۔ [۱]

ان کے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ صریح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے کیونکہ اس طرح تو کوئی مشرک بھی نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جوش میں آکر شانِ الٰہی میں گستاخی کریں گے اور ایسے الفاظ استعمال کریں گے جو اسکی ذات کے شایانِ شان نہیں جیسا کہ عام طور پر مجادلہ کے وقت ہوتا ہے۔

آگے اس پر عربی شاعر کے شعر سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فما کان ذنب بنی مالک
بان سب منہم غلام فسب
بابیض ذی شطب قاطع
یقد العظام ویبری القصب

بنی مالک کا صرف اتنا گناہ ہے کہ ان میں سے ایک لڑکے بخل پہ عار دلائی گئی اور اس نے عار کے جواب میں سفید دھاری دار قاطع تلوار سے اپنی موٹی اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا جو ہڈیوں کو کاٹ دیتی ہو اور قصب یعنی بانس کو تراش دیتی ہو۔

ان اشعار میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جسکو دوسرے شاعر نے یوں ادا کیا ہے:

نشتم بالافعال لا بالتکلم [۲] — ہم زبان کی بجائے افعال سے گالی دیتے ہیں

---

(۱) اردو ترجمہ مفردات القرآن (امام راغبؒ) ص ۴۴۹ (۲) ایضاً

حدیث قدسی میں ہے :۔

"یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر" — ابنِ آدم مجھے تکلیف دیتا ہے کہ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میرا ہی نام ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

واتی بالدھر مبالغۃ فی الرد علی من یسبہ وھم صنفان دھریۃ لا یعرفون للدھر خالقا ویقولون ما یھلکنا الا الدھر او معترفون باللہ تعالیٰ لکنھم ینزھونہ عن نسبۃ المکارہ الیہ فیقولون تبا لہ وبوساً وخیبۃ ونحو ذلک — اللہ کو گالی دینے والوں پر مبالغہ کے ساتھ رد کرنے کی غرض سے دہر کا لفظ لائے ہیں اور وہ (گالی دینے والے) دو قسم کے لوگ ہیں۔ دہریے جو کہ خالق دہر سے ناواقف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں زمانے ہی نے ہلاک کیا دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ذات خداوندی کے معترف ہیں لیکن مکروہ چیزوں کی نسبت سے اللہ کو پاک رکھنے کیلئے یہ کہتے ہیں، زمانے کی ہلاکت ہو، زمانے کی خرابی ہو وغیرہ۔

دوسری حدیث قدسی میں ہے :۔

کذبنی ابن آدم ولم یکن لہ ذلک وشتمنی ولم یکن لہ — ابنِ آدم میری تکذیب کرتا ہے حالانکہ یہ اس کیلئے مناسب نہیں اور مجھے گالی دیتا

ذلك فاما تكذيبه اياى فقوله لن يعيدنى كما بدأنى وليس اول الخلق باهون على من اعادته واما شتمه اياى فقوله اتخذ الله ولداً وانا الاحد الصمد الذى لم الد ولم اولد ولم يكن لى كفواً احد وفى رواية ابن عباس رضی اللہ عنہ واما شتمه اياى فقوله لى ولد وسبحانى ان اتخذ صاحبة او ولداً[1]

ہے حالانکہ یہ اس کیلئے مناسب نہیں، لیکن اسکا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ دوبارہ اسطرح زندہ نہیں کر سکے گا۔ اور لیکن اس کا مجھے گالی دینا اسکا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بیٹا بنا لیا حالانکہ میں یکتا ہوں بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے" اور لیکن اسکا مجھے گالی دینا، اسکا یہ کہنا ہے کہ میرے ہاں اولاد ہے حالانکہ میں اس بات سے پاک اور منزہ ہوں کہ بیوی یا بچے بناؤں۔

اس حدیث میں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اولاد کی نسبت کو شتم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا نے، جب راہ چلتے ہوئے ان کا پاؤں پھسل گیا تو فرمایا تعس مسطح اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ج ا۔ باب الایمان۔ الفصل الاول۔ ص ۱۲

اتسبین رجلا شهد بدرا ؟ — کیا تو ایسے آدمی کو گالی دیتی ہے جو بدر کے معرکہ میں شریک ہوا ہے۔

دیکھیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا کے قول "تعس" کو "سب" کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ لفظ "تعس" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی حدیث الافک "تعس مسطح" یقال تعس عثر وانکب بوجهه وقد تفتح العین وهو دعاء علیه بالهلاک۔ [1]

حدیث افک (جس میں سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا قصہ ہے) میں ہے "تعس مسطح" تعس کا استعمال ماضی میں عین کلمہ کے کسرہ اور مضارع میں عین کلمہ کے فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑے اور کبھی ماضی میں بھی عین کلمہ کو فتح دیا جاتا ہے اور یہ "تعس" (اس موقع پر) حضرت مسطح کیلئے ہلاکت کی بددعا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

هو بفتح عین وکسرها ای عثر او هلك او لزمه الشر او بَعُد [2] — یہ عین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے یعنی پھسل گیا یا ہلاک ہوا یا اسکو شر لازم ہوا

(۱) نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۱۹۰ طبع جدید (۲) مجمع البحار ج ۱ ص ۲۴۰

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ "تعساً" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" اصل میں "تعس" کے معنیٰ ہیں لغزش کھا کر گرنا اور پھر اُٹھ نہ سکنا پستی میں گر کر کسی چیز کا ٹوٹ جانا ، اور تعس (سس) تعساً و تعسۃ کا مصدر ہے۔ قرآن میں ہے ۔ "فتعساً لھم"۔ ان کے لیے ہلاکت ہے ۔" [۱]

قرآن و حدیث سے ذکر کردہ ان استعمالات سے معلوم ہوا کہ "سب و شتم" کا استعمال ہر نازیبا اور نامناسب بات کے متعلق ہو سکتا ہے۔ ہماری اس بات کی تائید امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی ہوتی ہے ۔ چنانچہ امام موصوف "شاتم رسول" کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

فما عدہ اهل العرف سبا و انتقاصاً او عیبا او طعنا ونحو ذلك فهو من السب [۲]	پس اہل عرف جس چیز کو سب اور نقص بیانی یا عیب یا طعن وغیرہ شمار کریں پس وہ سب ہے ۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

السب الذی ذکرنا حکمه من المسلم هو الکلام الذی یقصد به الانتقاص والاستخفاف وهو ما یفهم منه السب فی عقول الناس علی اختلاف اعتقاداتهم کاللعن والتقبیح	ایک مسلمان کی طرف سے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) گالی جس کا ہم نے حکم بیان کیا ، ہر وہ کلام ہے جس سے کہ نقص گوئی اور بے وقعتی کا ارادہ کیا جائے ۔ لوگوں کے ذہنوں میں مختلف اعتقادات کے پیش نظر سب کا یہی

(۱) اردو ترجمہ مفردات راغب ۔ ص ۱۴۵ (۲) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۵۵۶۔

ونحوه و هو الذی دل علیه	مفہوم ہے جیسے لعنت کرنا اور قباحت
قوله تعالیٰ ولا تسبوا الذین	بیان کرنا وغیرہ اور اسی پر حق تعالیٰ
یدعون من دون الله فیسبوا الله	کا ارشاد "ولا تسبوا آه" دلالت
عدواً بغیر علم، فهذا اعظم	کرتا ہے۔

ما تفوه به الا لسنة آه [1]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل عرف جس چیز کو سب وشتم، نقص بیانی، عیب گوئی اور طعنہ زنی وغیرہ شمار کریں، وہ "سب" ہے

سبِّ صحابہؓ سے مراد

اسلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا تسبوا اصحابی" میں یہ تمام چیزیں آجاتی ہیں لہٰذا ان کے نقائص بیان کرنا یا ان کی عیب گوئی کرنا یا ان میں طعن کرنا یا دوسرے کسی قبیح طریقہ سے ان کا ذکر کرنا "سب" کے مفہوم میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

بلکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو بخل، بزدلی، قلتِ علم اور عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا بھی "سب" ہے۔ فرماتے ہیں:-

اما من سبهم سبا لا یقدح فی	لیکن جس نے ان (صحابہؓ) کو ایسی گالی
عدالتهم ولا فی دینهم مثل	دی جو ان کی عدالت اور دین میں

---

[1] الصارم المسلول - ص ۵۷۶

وصف بعضهم بالبخل او الجبن او قلة العلم او عدم الزهد ونحو ذلك ۔ (۱)	قادح نہیں جیسے ان میں سے بعض کو بخل، بزدلی، قلۃ علم یا عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کو بخل، بزدلی، قلۃ علم اور عدم زہد وغیرہ کے ساتھ موصوف کرنا بھی ان کو گالی دینا ہے ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرنا جس سے ان کی عدالت مجروح ہوتی ہو، ان کو گالی دینے کے مترادف ہے ۔ بلکہ حکم کے اعتبار سے ماں، بہن کی گالی سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ عنقریب شاتمین صحابہؓ کے حکم کے تحت بیان کیا جائیگا

صحابہ کرامؓ پر تنقید بھی سب ہی کے حکم میں ہے

صحابہ کرام پر تنقید بھی سب ہی کے حکم میں ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے ۔

الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی	میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو ہدف تنقید نہ بنانا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "غرضاً" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ای هدفاً لكلامكم القبيح لهم فی المحاورات ورميهم فی غيبتهم بالوقائع والمكروهات (۲)

---

(۱) الصارم المسلول ۔ ص ۵۹۱ (۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۔ ج ۱۱ ۔ ص ۲۷۸

ہم تے یہ بات، کہ تنقید بھی سب ہی کے حکم میں ہے' بے دلیل نہیں کہی بلکہ ہمارے پاس اسکی دلیل ہے۔ اولاً یہ کہ "سب" اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے تنقید کو بھی شامل ہے۔ ثانیاً یہ کہ صحابہؓ کرام پر تنقید کرنے والے، زیادہ سے زیادہ وہی چیزیں ذکر کرتے ہیں جو شاتمین صحابہؓ کرام ان کے مطاعن کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے باب دہم میں صحابہؓ کرام کے بارے میں شیعہ کے جن مطاعن کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں بعض مطاعن درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو حاکم وامیر بنایا جو ظالم تھے۔

(۲) حضرت عثمانؓ نے حکم بن ابی العاص کو (جو مروان کا والد تھا) بعد اخراج پیغمبر خدا مدینہ میں بلالیا۔

(۳) عثمانؓ نے اپنے گھر والوں اور اقربا کو بہت مال دیا اور بے انتہا اسراف کیا۔

(۴) حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں بہت سے صحابہؓ کو معزول کیا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ بن عمر کے قصاص کو موقوف رکھا۔

(۶) حضرت عثمانؓ نے اپنے دوستوں اور مصاحبوں کو جاگیریں دیں۔

بالکل یہی اعتراضات آج کل ناقدین حضرات، تنقید کے نام سے حضرت عثمانؓ پر دہراتے ہیں' بلکہ صحابہؓ کرام، خصوصاً حضرت علیؓ کے مخاصمین پر شیعہ مجالس میں جو اعتراضات تبرا کے نام سے کیے جاتے تھے وہی آج تنقید کے حسین اور دلفریب نام سے دہرائے جا رہے ہیں۔ اور اس کو جائز بلکہ مستحسن کا روائی خیال کیا جاتا ہے۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر شیعہ کوئی اعتراض کرے تو اسکو مطاعن کی

فہرست میں داخل کر دیا جائے۔ اور اگر وہی اعتراض کوئی شیعہ خصلت سنی کرے تو اسکو تحقیق اور تنقید کا نام دے دیا جائے۔

نام بدلنے سے اگرچہ حقیقت نہیں بدل جاتی تاہم تنقید بھی کوئی ایسی پسندیدہ حقیقت نہیں جسے ہر کسی کے، خصوصاً صحابہ کرامؓ کے حق میں جائز تسلیم کر لیا جائے کیونکہ تنقید اور نقد، جرح کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کتب جرح و تعدیل کو کتب نقد رجال اور ائمہ جرح و تعدیل کو ائمہ ناقدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور گذشتہ اوراق میں یہ بات شرح و بسط کے ساتھ گزر چکی ہے کہ خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے **صحابہ کرام** کی تعدیل فرمائی ہے۔ بھلا جس کی تعدیل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود کریں۔ کسی کو اس پر جرح کا کیا حق ہے۔ اللہ، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعدیل کے بعد جرح کرنے والا خود مجروح ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق لان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون

جب کسی آدمی کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی کی طرف نقائص کی نسبت کر رہا ہے تو یقین کر لو کہ یہ شخص "زندیق" ہے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حق ہیں۔ اور اس قرآن اور سنت رسول صلی اللہ

ان یجرحوا شہودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ، والجرح بھم اولی وھم "زنادقۃ"[۱]

علیہ وسلم کو ہم تک صحابہ کرام ہی نے پہنچایا ہے اور یہ ہمارے ان گواہوں کو مجروح کرکے کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود جرح کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور یہ لوگ "زندیق" اور بے ایمان ہیں۔

---

(۱) کفایہ ص ۴۹، اصابہ ص ۱۰-۱۱

"سبِّ صحابہؓ کی شرعی حیثیت اور شاتمین صحابہ کرامؓ کا حکم"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص اور ان پر سب وشتم کرنیوالوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اور ان کو مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم (رواہ الترمذی) [۱]

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کے بارے میں بدگوئی کرتے ہوں تو کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے بروں پر

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابا واجعل لی فیھم وزراء وانصارا واصھارا فمن اسبھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ

بے شک اللہ نے مجھے چن لیا ہے اور میرے لیے میرے صحابہؓ کو چن لیا اور ان میں میرے وزیر، انصار اور سسرال بنائے پس جو انہیں گالی دے (یا کسی قسم کی بدگوئی کرے) اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے [۲]

---

(۱) سنن ترمذی - باب ۔ ص
(۲) مشکوٰۃ ج ۲ - باب مناقب الصحابہ - ص ۵۵۴

صرفاً ولا عدلاً (رواه المحاملي والطبراني والحاكم) [1]

اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی جانب سے کسی قسم کا معاوضہ قبول نہ کریگا

ایک اور حدیث میں ہے :-

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحاباً وانصاراً وسیاتی قوم یسبونہم فلا تجالسوہم ولا تشاربوہم ولا تواکلوہم ولا تناکحوہم (رواہ العقیلی فی الضعفاء) [2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا ہے اور میرے لیے میرے صحابہ رضی و انصار رضی کو چن لیا ہے ۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو ان میں بدگوئی کیا کریں گے اور انکی تنقیص کیا کریں گے پس انکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا نہ رکھنا اور انکے ساتھ بیاہ شادیاں نہ کرنا

ایک اور حدیث میں ہے :

ان اللہ اختارنی واختار اصحابی فجعلہم اصحاری وجعلہم انصاری وانہ سیجیٔ فی اخر الزمان قوم ینتقصونہم الا فلا تناکحوہم الا فلا تنکحوا الیہم الا فلا تصلوا معہم الا فلا تصلوا علیہم، علیہم حلت اللعنۃ (رواہ الخطیب) [3]

بے شک اللہ نے مجھے اور میرے صحابہ کو چن لیا ہے پس انہیں میرے سسرال اور انصار بنا دیے ہیں اور آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہونگے جو انکی تنقیص شان کرینگے ۔ خبردار ان سے نکاح شادیاں نہ کرنا نہ انکے پاس نکاح کی خواہش لے کر جانا اور نہ ان کے جنازہ میں شرکت کرنا ، ان پر اللہ کی لعنت ہے ۔

(۱) مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱۱۔ ص ۲۷۴ (۲) ایضاً (۳) کنایہ ۔ ص ۴۸

مذکورہ بالا احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو برا کہنے والوں اوران کی تنقیص شان کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اوران کے ساتھ نکاح شادی، میل ملاپ اور خورد ونوش اوران کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے اوران کے جنازہ میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ طرق اگر ضعیف بھی ہیں تو تعدد کی وجہ سے وہ ضعف منجبر ہو جاتا ہے، خصوصاً جبکہ صراحتاً متفق علیہ صحیح حدیث میں سب صحابہؓ سے ممانعت ثابت ہے۔ ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے:-

لا تسبوا اصحابی [1]	میرے صحابہؓ کو گالی نہ دو

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:-

واعلم ان سب الصحابۃ رضی اللہ عنہم حرام من فواحش المحرمات سواء من لابس الفتن منہم وغیرہ لانہم مجتہدون فی تلبجا الحروب ومتاھدین .... قال القاضی وسب احد ھم من المعاصی الکبائر ومذھبنا ومذھب الجمہور انہ یعزر ولا یقتل وقال بعض انما لکمۃ یقتل [2]	جان لو کہ سب صحابہؓ حرام ہے، فواحش محرمات میں سے ہے۔ جن صحابہؓ نے اختلافات میں حصہ لیا وہ بھی اور جنہوں نے حصہ نہیں لیا وہ بھی (اس حکم میں) سب یکساں ہیں کیونکہ وہ ان جنگوں میں مجتہد اور متاول تھے .... قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان (صحابہؓ) میں سے کسی کو بھی گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ہمارا اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ (گالی دینے والے کو) تعزیر لگائی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائیگا اور بعض قتل کے قائل ہیں

(۱) صحیح بخاری۔ ج ۲۔ باب فضائل الصحابۃ ص ، صحیح مسلم۔ ج ۲۔ ص ۳۱۰،
(۲) ایضاً۔ مع شرح نووی رح

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ قاضی عیاضؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

وخص بعض الشافعیۃ ذلک بالشیخین والحسنین فحکی القاضی حسین فی ذلک وجہین وقواہ السبکی فی حق من کفر الشیخین وکذا من کفر من صرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم بایمانہ او تبشیرہ بالجنۃ اذا تواتر الخبر بذلک عنہ طائفۃ من تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]	اور بعض شافعیہ نے اسکو قتل شاتم شیخین اور حسنین کے ساتھ خاص کیا ہے قاضی حسین نے اسمیں دونوں وجہیں نقل کی ہیں اور علامہ سبکی نے شیخین کی تکفیر کرنیوالے کے حق میں قتل ہی کو قوی کہا ہے۔ ایسے ہی جس کے ایمان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہو اور اسکو جنت کی بشارت دی ہو اس کی تکفیر کرنے والا بھی مستحق قتل ہے۔ کیونکہ یہ آنحضرت کی تکذیب کو متضمن ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم سے امام نوویؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

وقد صرح بعض علمائنا بانہ یقتل من سب الشیخین ففی کتاب السیر من کتاب الاشباہ والنظائر للزین بن نجیم و	اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ شیخینؓ کو گالی دینے والا قتل کیا جائیگا... زین ابن نجیم کی اشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں ہے۔ کوئی کافر جب توبہ کرلے

---

[1] فتح الباری۔ ج ۷۔ ص ۱۸۔ طبع قدیم

کل کافر تاب فتوبته مقبولة فی الدنیا والآخرة الا جماعة الکافر بسب النبی وسب الشیخین او احدهما او بالسحر او بالزندقة ولو امرأة اذا اخذ قبل توبته وقال سب الشیخین ولعنهما کفر وان فضل علیاً علیهما فمبتدع کذا فی الخلاصة وفی مناقب الکردری یکفر اذا انکر خلافتهما او بغضهما لمحبة النبی لهما واذا احب علیاً اکثر منهما لا یؤاخذ به (۱)	تو اس کی توبہ دنیا و آخرت دونوں میں مقبول ہے مگر کفار کی ایک جماعت ایسی ہے کہ اسکی توبہ مقبول نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما یا ان میں سے ایک کو گالی دے کر جو کافر ہوا یا جادو کی وجہ سے یا زندقہ کی وجہ سے اگرچہ عورت ہو جب اسے پکڑ لیا جائے تو اسکی توبہ قبول کر لی جائیگی اور فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دینا، اور ان پر لعنت کرنا کفر ہے اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان پر فضیلت دے تو بدعتی (خلاصہ میں ایسا ہی ہے) اور کردری کے مناقب میں ہے۔ اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اسکی وجہ سے اسپر مواخذہ نہیں ہے

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے شاتمین صحابہ رضی اللہ عنہم کا حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قال فی الرسالة التی رواها	امام احمد بن حنبل نے اپنے اس رسالہ

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - ج ۱۱ - ص ۲۷۳

ابو العباس احمد بن یعقوب
الاصطخری وغیرہ وخیر
الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ابوبکرؓ و عمر و عثمان
بعد عمر و علی بعد عثمان
ووقف قوم وھم خلفاء راشدون
مھدیون ثم اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھؤلاء
الاربعۃ خیر الناس لا یجوز
لاحد ان یذکر شیئا من مساویھم
ولا یطعن علی احد منھم بعیب
ولا نقص فمن فعل ذلک فقد
وجب تادیبہ و عقوبتہ لیس
لہ ان یعفو عنہ بل یعاقبہ و
یستتبہ فان تاب قبل عنہ وان
ثبت اعاد علیہ العقوبۃ وخلدہ
فی الحبس حتی یموت او یرجع
وقال المیمونی سمعت احمد
یقول مالھم و لمعاویۃ نسأل

جس کو ابو العباس احمد بن یعقوب وغیرہ
نے روایت کیا ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے بہتر ابوبکر، عمر
پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور
کچھ لوگوں نے اسمیں توقف کیا ہے، یہ
حضرات خلفاءِ راشدین، ہدایت یافتہ
ہیں پھر ان چار کے بعد تمام صحابہ رسول
امت میں سے بہتر ہیں، کسی کیلئے جائز نہیں
کہ ان کے مساوی بیان کرے اور نہ یہ کہ
ان میں سے کسی پر عیب یا نقص کے ساتھ
طعن کرے۔ پس جس نے ایسا کیا اسکی
تادیب اور عقوبت واجب ہے اسکو معاف
نہیں کیا جا سکتا بلکہ سزا دی جائے گی اور
توبہ کروائی جائیگی، اگر توبہ کر لی تو قبول
کی جائیگی، اگر اپنی بات پر اڑا رہا تھا تو
دوبارہ اسکو سزا دی جائے گی اور تا موت
یا رجوع اسے قید میں رکھا جائے گا.....
اور میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ
کو یہ کہتے ہوئے سنا انہیں معاویہؓ سے کیا

الله العافية وقال يا ابا الحسن
ان رايت احدا يذكر اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم
فاتهمه على الاسلام وقال
ابو يعلى الذي عليه الفقهاء
في سب الصحابة ان مستحلا
لذلك كفر وان لم يكن مستحلا
فسق ولم يكفر سواء كفرهم
او طعن في دينهم مع اسلامهم
وقد قطع طائفة من الفقهاء
من اهل الكوفة وغيرهم
يقتل في سب الصحابة و
كفر الرافضة ۔

۱؎

ولفظ بعضهم وهو الذي
نصره القاضي ابو يعلى انه ان
سبهم سبا يقدح في
دينهم وعدالتهم كفر

سرد کا ہے ہم اللہ سے معافی چاہتے ہیں اور
کہا اے ابوالحسن اگر تو کسی کو دیکھے کہ صحابہؓ
رسول میں سے کسی کا ذکر برائی سے کر رہا ہے
تو اسے اسلام کے بارے میں متہم سمجھو۔
اور قاضی ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ سب صحابہؓ
کے بارے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر
حلال سمجھے تو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر
حلال نہ سمجھے تو فاسق قرار دیا جائے گا۔
خواہ ان کی تکفیر کرتا ہو یا ان کے دین میں
طعن کرتا ہو، باوجود ان کے مسلمان ہونے
کے۔ اہل کوفہ میں سے فقہاء کی ایک جماعت
اور کچھ دوسرے لوگوں نے قطعی فیصلہ کیا
ہے کہ جو صحابہؓ کو گالی دے گا اسے قتل کیا
جائیگا اور رافضیوں کو کافر قرار دیا جائیگا
اور بعض نے کہا ہے اور اسی کی
ابو یعلیٰؒ نے بھی تائید کی ہے کہ اگر صحابہؓ
کو ایسی گالی دی جو ان کے دین اور عدالت
میں قادح ہے تو اسکی وجہ سے کافر قرار دیا جائیگا۔

---

(۱) الصارم المسلول - ص ۵۷۴

بذلك وان سبهم سبا لا يقدح
في دينهم ومثل ان يسب ابا احدهم
او يسبه سبا يقصد به غيظه
ونحو ذلك لم يكفر وقال القاضي
ابو يعلى فقد اطلق (الامام احمد)
القول فيه (اى فى رواية
المروزى) انه يكفر بسبه
لاحد من الصحابة وتوقف
فى رواية عبدالله وابي طالب
من قتله وكمال الحد وايجاب
التعزير يقتضى انه لم يحكم بكفره
قال فيحتمل ان يحمل قوله
ما اراه على الاسلام على سب
يطعن فى عدالتهم نحو قوله
ظلموا وفسقوا بعد النبى
صلى الله عليه وسلم واخذوا
الامر بغير حق ويحمل قوله
فى اسقاط القتل على سب لا يطعن
فى دينهم نحو قوله كان فيهم

اور اگر ایسی گالی دی جو دین میں قادح
نہیں جیسے ان میں سے کسی کے باپ کو
گالی دی جس سے صرف ناراضگی کا اظہار
مقصود ہے وغیرہ، تو کافر نہیں قرار دیا جائے
گا۔ قاضی ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ مروزی کی
روایت کے مطابق امام احمدؒ نے صحابہؓ میں
کسی ایک کو گالی دینے والے کے متعلق مطلق
کفر کا قول کیا ہے اور عبداللہ اور ابوطالب
کی روایت میں اسکے قتل سے توقف کا قول
کیا ہے۔ کمال حد اور ایجاب تعزیر اس
بات کی مقتضی ہے کہ کفر کا حکم نہیں لگایا
جائیگا اور فرمایا (قاضی ابو یعلیٰ نے) کہ
امام احمدؒ کے قول "ما اراہ علی الاسلام"
کو ایسی گالی پر محمول کیا جائیگا جو عدالت
میں طعن کا موجب ہو جیسے یوں کہنا کہ
صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد ظالم و فاسق ہو گئے تھے اور امر
(خلافت) کو ناحق سنبھال لیا اور اسقاط
قتل میں ان کے قول کو ایسی گالی پر محمول

قلة علم وقلة معرفة بالسياسة والشجاعة وكان فيهم شح ومحبة الدنيا ونحو ذلك قال ويحمل ان يحمل كلامه على ظاهره فتكون في سابهم روايتان احداهما يكفر والثانية يفسق ۔ [1]

کیا جائے گا جو ان کے دین میں طعن کا موجب نہ ہو جیسے یہ کہنا کہ انمیں علم و معرفت بالسیاستہ اور شجاعت کی قلت تھی اور ان میں بخل اور دنیا کی محبت تھی وغیرہ، اور فرمایا کہ امام احمدؒ کے کلام کو ظاہر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے (اسطرح کہ) امام صاحب کی شاتم صحابہؓ کے بارے میں دو روایتیں ہوں ۔ ایک تکفیر کی اور دوسری تفسیق کی

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو یعلی کے واسطہ سے امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سے جو کچھ نقل کیا ہے اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے ۔

(۱) اگر گالی ایسی ہو جو دین اور عدالت میں قادح نہ ہو تو تعزیر لگائی جائے گی ۔

(۲) اگر سب صحابہؓ کو حلال سمجھتا ہو تو کافر قرار دیا جائے گا ورنہ فاسق ۔

(۳) گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا ۔

(۴) اگر ایسی گالی دے جو دین و عدالت میں قادح ہو تو کافر قرار دیا جائیگا ۔

عقائد نسفیہ کے شارح علامہ سعد الدین تفتازانی نے ایک دوسری تفصیل نقل کی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية

صحابہؓ کو گالی دینا اور ان میں طعن کرنا، اگر ادلۂ قطعیہ کے مخالف ہو، تو کفر ہے

---

(۱) الصارم المسلول ۔ ص ۵۷۶

فکفر کقذف عائشہ والا فبدعة وفسق وبالجملة لم ینقل من السلف المجتہدین والعلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویہؓ واحزابہ لان غایة امرہم البغی والخروج علی الامام وھو لا یوجب اللعن

جیسے حضرۃ عائشہ کا قذف، ورنہ بدعت فسق ہے۔ بہر حال سلف مجتہدین اور علماء صالحین سے "حضرت معاویہؓ اور ان کے امثال پر لعنت کرنا منقول نہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے امام پر بغاوت اور خروج کیا اور یہ بات موجب لعن نہیں ہے۔

حضرت معاویہؓ کا ذکر آگیا، اسلیے مناسب ہے کہ جو لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق بدگوئی کرتے ہیں ان کے متعلق علماء کی آراء نقل کردی جائیں۔

علامہ فرہاروی شارح عقائد کے اس جملہ کے تحت کہ "علماء سے حضرت معاویہؓ پر لعنت منقول نہیں" لکھتے ہیں:—

لا یخفی ان الشارح قصرھا فی حق ھذا الصحابی حیث اکتفی بعدم جواز اللعن واقول قد صرح علماء الحدیث بان معاویة من کبار الصحابة ونجبائھم و مجتہدیھم ولو سلم انہ من صغارھم فلا شک فی انہ دخل فی عموم الاحادیث الصحیحة

یہ بات مخفی نہیں کہ شارح نے اس صحابی (معاویہؓ) کے حق میں (علماء سے تحسین کے جو کلمات منقول ہیں) ان میں سے صرف اس پر اکتفا کیاہے کہ ان پر لعنت کرنا جائز نہیں، میں کہتا ہوں کہ علماء حدیث نے تصریح کی ہے کہ معاویہؓ کبار اور نجیب اور مجتہد صحابہؓ میں سے تھے اور اگر ان کا صغار صحابہؓ میں سے ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے

الواردة فی تشریف الصحابة بل قد ورد فیه بخصوصه احادیث کقوله اللهم اجعله هادیاً مهدیاً واهدبه (رواه الترمذی) وقوله اللهم علم معاویة الحساب والکتاب وقه العذاب (رواه احمد) وما قیل من انه لم یثبت فی فضله حدیث ففیه نظر وکان السلف یغضبون من سبه وطعنه وقیل لابن عباس ان معاویة صلی الوتر رکعة واحدة قال دعه فانه فقیه صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی صحیح البخاری وسبه رجل عند خلیفة الراشد عمر بن عبد العزیز فجلده وقال آخر امیر المؤمنین یزید فجلده وقیل للامام الجلیل

تو پھر بھی بلا شک صحابہؓ کے فضائل میں جو احادیث منقول ہیں ان کے عموم داخل ہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان کے حق میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اے اللہ معاویہؓ کو ہادی و مہدی بنا" (اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے) اور ارشاد ہے "اے اللہ معاویہؓ کو حساب اور کتاب کا علم عطا فرما اور اسکو عذاب سے بچا" (اسکو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں، محل نظر ہے، سلف صالحین حضرت معاویہؓ کے بارے میں سب اور طعن کرنے والے کو برا سمجھتے تھے، ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ معاویہؓ وتر ایک پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ "چھوڑو، وہ فقیہ ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔ خلیفہ راشد عمرؒ بن عبد العزیز کے سامنے ایک آدمی نے حضرت معاویہؓ کو گالی دی تو انہوں

عبد اللہ بن المبارک معاویہؓ افضل ام عمرؒ بن عبد العزیز قال غبار فرس معاویہؓ اذا غزا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمرؒ وقال القاضی عیاض المالکیؒ فی الشفاء قال مالک من شتم احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکرؓ او عمرؓ او عثمانؓ او معاویہؓ او عمرو بن العاصؓ فان قال کانوا علی کفر وضلال قتل وان شتمہم بغیر ہذا من مشاتمۃ الناس نکل نکالا شدیدا[1]

نے اسے کوڑے لگوائے۔ اور دوسرے نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تو اس کے بھی کوڑے لگوائے۔ امام جلیل عبد اللہؒ بن مبارک کو کہا گیا کہ معاویہؓ افضل ہیں یا عمرؒ بن عبد العزیز، تو فرمایا کہ معاویہ کے گھوڑے کی وہ غبار جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے اسپر پڑ گئی وہ بھی عمرؒ بن عبد العزیز سے افضل ہے۔ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی کو (ابو بکرؓ ہو یا عمرؓ یا عثمانؓ یا معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین) گالی دی بایں طور کہ انکی تکفیر وتضلیل کی تو اسکو قتل کیا جائے گا اور اگر اسکے علاوہ کوئی ایسی گالی دی جو آپس میں لوگ دیتے ہیں تو اس کو سخت سزا دی جائیگی۔

ان تمام اقوال کے پیشِ نظر صحابہ کرامؓ کو کوئی ایسی گالی دینا جس کا تعلق انکے

---

[1] نبراس - ص ۵۵۰، ۵۵۱

آبا سے ہو یا دیانت وعدالت سے یعنی ان پر تنقید کرنا یا ان کی طرف اوصاف مذمومہ حسد، بخل، قلتِ سیاست، اور قلتِ شجاعت وغیرہ کی نسبت کرنا جس سے ان کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو، حرام ہے اور ایسا آدمی (علی اختلاف الروایتین) مستوجبِ قتل یا سخت سزا کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت اور حسن عقیدت نصیب فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی رضا مندی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)

مآخذ و مراجع

نمبر شمار	اسماء الکتب	اسماء المؤلفین
(۱)	القرآن الحکیم	کلام اللہ القدیم
(۲)	الصحیح البخاری	الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ
(۳)	الصحیح المسلم مع شرح النووی	الامام مسلم بن حجاج ۲۶۱ھ
(۴)	الطبقات الکبریٰ	امام محمد ابن سعدؒ
(۵)	فتح الباری	حافظ ابن حجرؒ ۸۵۲ھ
(۶)	تفسیر ابن کثیر	امام ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ
(۷)	البدایہ والنہایہ	" "
(۸)	اعلام الموقعین	حافظ ابن قیمؒ ۷۵۱ھ
(۹)	مفردات القرآن	امام راغب اصفہانیؒ
(۱۰)	النہایہ	امام ابن اثیرؒ ۶۳۰ھ
(۱۱)	الصارم المسلول	امام ابن تیمیہؒ
(۱۲)	العواصم من القواصم	امام ابوبکر ابن العربیؒ

اسماء المؤلفین	اسماء الکتب	نمبر شمار
حافظ ابن حجرؒ	اصابہ	(۱۳)
" "	شرح نخبۃ الفکر	(۱۴)
حافظ زین الدینؒ عراقی ۸۰۶ھ	فتح المغیث	(۱۵)
خطیبؒ بغدادی	الکفایہ	(۱۶)
امام ابو عیسیٰؒ ترمذی ۲۷۹ھ	جامع ترمذی	(۱۷)
حافظ ابن عبد البرؒ ۴۶۳ھ	الاستیعاب	(۱۸)
ابو الحسنؒ علی المعروف بابن الاثیر ۶۳۰ھ	اسد الغابہ	(۱۹)
امام جلال الدینؒ سیوطی	تدریب الراوی	(۲۰)
امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن ۶۴۳ھ	مقدمہ ابن صلاح	(۲۱)
ملا علی قاریؒ ۱۰۱۴ھ	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	(۲۲)
	شرح عقیدہ طحاویہ	(۲۳)
شاہ عبد العزیزؒ دہلوی	تحفہ اثنا عشریہ	(۲۴)
مولانا محمد عبدہٗ	اردو ترجمہ مفردات القرآن	(۲۵)
شاہ ولی اللہ دہلوی	ازالۃ الخفا	(۲۶)
ملا علی قاریؒ	شرح فقہ اکبر	(۲۷)
ڈاکٹر صبحی الصالح	علوم الحدیث	(۲۸)
علامہ جمال الدین قاسمیؒ	قواعد التحدیث	(۲۹)

ادارہ کی دیگر مطبوعات

کتابت حدیث تا عہد تابعین

مرتبہ :- محمد خالد سیف

یہ کتاب مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے کتابتِ حدیث کے سلسلہ میں اعتراض کا بیشمار امہات کتب سے لاتعداد اور ناقابلِ تردید دلائل کے ذریعہ مسکت جواب ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کتابتِ حدیث کی داغ بیل عہدِ رسالت میں ہی پڑ چکی تھی۔ عہدِ صحابہ میں تحریک پروان چڑھی اور عہدِ تابعین میں پورے عروج پر پہنچ گئی۔

یہ کتاب اہلِ علم کے لئے بیش بہا تحفہ۔ مثلاشیانِ حق کے لئے اہم دستاویز اور مستشرقین و منکرینِ حدیث کیلئے ایٹم بم ہے۔

ادارہ علوم اثریہ۔ لائل پور

امام دارقطنیؒ

چوتھی صدی ہجری کے نامور تاجدارِ حدیث حضرت امام دارقطنیؒ پر مختلف اہلِ علم نے مقالات سپردِ قلم کئے مگر افسوس کہ وہ اختلافِ مسلک کے پیشِ نظر امام موصوف کی علمی شخصیت کا صحیح تجزیہ کرنے سے قاصر رہے۔ بلکہ انہوں نے آپ پر تشدّد وغیرہ کا الزام لگا کر غلط تأثر دینے کی کوشش کی۔

اس کتاب میں آپ کے سوانح، آپ پر الزامات کا جائزہ، آپکی تالیفات خصوصاً "السنن" پر تبصرہ، علل الحدیث اور جرح و تعدیل میں آپ کے مقام اور دیگر بیشمار عنوانات پر جامع بحث کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ بعض فنونِ حدیث میں تو آپ سابقہ محدثینؒ پر بھی فوقیت رکھتے ہیں۔

یہ کتاب اہلِ ذوق کیلئے ایک نادر تحفہ سے کم نہیں۔

ادارہ علوم اثریہ۔ لائل پور

50

سلسلۂ مطبوعات ۶

مرتبہ

فقیر اللہ، متخصص ادارۂ علومِ اثریہ لائلپور

ناشر

ادارۂ علومِ اثریہ لائلپور